# عمر ماروی

کنیز نبوی

کنیز نبوی

# عمر ماروی

اکھر پڑھ الف جو پیا ورق سبھ وسار
اندر توں اجار ' پنا پڑھندیں کیترا

"صرف لفظ الف کا پڑھ لے باقی سارے اوراق بھول جا۔
باطن کو صاف کرلے اور کتنے فضول کاغذ پڑھے گا۔"

ماروی! "روح" دل کو یکتا کی یاد سے روشن کرلے' صرف الف سے لولگالے' اور سارے کورے کاغذوں کو پھاڑ دے' قلب کے کاغذ سے غیر کا نام مٹادے۔

دل کی تختی صاف کر' الف کی تسبیح پڑھ کے' سب کچھ نفس کی نذر کردے۔ اثبات حقیقی کے بحر میں غوطہ زن ہو کر ثبات عطائی کی سیپیاں چن لے۔

ماروی! "کن" کہنے والے کو راضی کرلے اور امر روح کو اس کے تابع کرلے۔

اوماروی!
اوماروی!
ذرا سن لے
ندائے ملیر

مکمل ناول

ندائے الست

الست بربکم (کون ہے تمہارا رب) جب سماعت نے یہ ندا سنی۔ تو ماروی (روح) اسی وقت قلب سے قالوبلی (تو ہی ہے میرا رب) کا اقرار کر بیٹھی۔

وہ وعدہ' وہ عہد' اب اس عالم ناسوت میں وفا کرنا ہے۔ وہ وعدہ وہ عہد پورا کرنا ہے۔

اے ماروی! یہ دنیا خوب صورت و پر فریب سہی' عمر (نفس) خواہشات کا خریدار سہی۔

پھوگ (شیطان حرص و ہوس) کی ترغیب پر فریب سہی۔

مگر

ندائے 'ملیر (عالم ارواح) سے نہ مکر
قالوبلی کے اقرار کو نہ بھول
وحدانیت کی وادی کو یاد کر
قلب کی گرہیں کھول دے
ظاہر و باطن' اول و آخر کے ذکر سے زبان کو تر رکھ

او عالم ناسوت میں پھنسی' پور پور جکڑی ماروی
ابھی سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوا
ابھی توبہ کے دروازے بند نہیں ہوئے
لوٹ آ راستہ کھلا ہے
آلائشوں سے دامن جھاڑ
کورے کاغذ سارے پھاڑ
ملیر کی اور کر مہار (رخ)
نفس کو نیند سلا
نیند (عشق کا کاجل لگا)
توفیق الٰہی کے جھولے میں جھول جا
توفیق الٰہی کی دعا سے دامن آراستہ کر
لوٹ آ ماروی
اپنی اصل کی اور



ماروی منتوں دعاؤں سے پانے والی من چاہی مراد۔ محبت کا میلہ سجانے آرہی ہے۔ سورج کی سفید روحانی روشنی پر چمکنے والی ریت نے۔

سورج کے گیروا لباس پہن کر' آرام کرنے پر' خود بھی مٹیالا لباس زیب تن کر لیا ہے۔ پاؤں کے نیچے بجر ایسی تپتی ریت نے وصال کی ٹھنڈک جیسا لباس پہن لیا۔

ان بھٹوں ٹیلوں کی اوٹ میں اکا دکا تھری درخت بادلوں کو سمیٹے سر نیہوڑائے کھڑے ہیں۔ بکریاں اپنے بچوں کو سونگھ رہی ہیں۔ مٹیالا گھاگھرا پہنے گاؤں کے کونے پر ایستادہ ٹیلا' جس کی تکون پر کھڑا کھیت میلوں دور اس سڑک کو گھور رہا ہے' جو ریت میں سانپ کی طرح رینگتی لگتی ہے۔

اس دور دراز نی سڑک کے تین کلومیٹر پار' وہ گاؤں جہاں ماروی کی آمد متوقع ہے۔ اور جس کے انتظار میں کھڑا کھیت' استقبال کے خوش کن خیال سے خیرہ ہو رہا ہے۔

کتنا تسلی بخش تصور ہے ــــــ چاندنی رات میں محبوب کو اونٹ پر بٹھائے اونٹ کی مہار پکڑ کر محبت میں محو ہو کر منزل کی اور بڑھنا۔

اس تصور کے طیور تلوار کی طرح تیز ہیں۔ مور کے رنگوں کی طرح حسین۔ وہ اس تصور کی قوس قزح میں کھویا ہوا ہے۔ محبت کا مینہ برس رہا ہے اور وہ اس میں پور پور بھیگتا جا رہا ہے۔

دور آسمان پر چاند اس چکور ایسے کھیت کی دیوانگی پر مسکرا رہا ہے۔

کھیت سر اٹھا کر چاند کو دیکھ کر ہنس پڑتا ہے چاند تیری ذات' اپنے محبوب کی مثل برابر نہیں سمجھتا' تو تو صرف رات میں چمکتا ہے' میرا محبوب تو ہر وقت روشن رہتا ہے۔

وہ چاند کو آنکھ مار کر شرارتاً" طعنہ دیتا ہے۔ اس سے سرد سندھی کی آواز میں شیخ ایاز کا کلام اس کی سماعتوں میں زندہ ہو جاتا ہے۔

اورے چاند اورے چاند۔
میرا محبوب تم نے تو نہیں دیکھا۔

اس کا رنگ اس کا روپ ایسا ہی ہے جیسا تو

چاندنی رات کا فسوں فضائے بسیط پر طاری ہو کر اس کے دل کو فیض یاب کر رہا ہے۔ محبت کی مدھ میں مدہوش ہو کر' اس کے دونوں بازو تلور کے پروں کی طرح پھیل جاتے ہیں۔ وہ چکور کی طرح پھرتا ہے ٹیلے کی بھیگی بھیگی ٹھنڈی ٹھار ریت اس کے پاؤں کے نیچے سے سرکتی جاتی ہے۔

اس کی نظریں چاند سے ملتی ہیں' چاند کی مسکراہٹ اسے بھلی لگتی ہے' اس کے داغ پر اسے پیار آتا ہے۔

اورے چاند اورے چاند میرا محبوب تم نے تو نہیں دیکھا

اس کا رنگ اس کا روپ ایسے ہی ہے جیسے تو۔

اس کی بلند آواز فضاؤں میں پھیلے فسوں پر سوار ہو کر پورے گاؤں پر گونجتی ہے۔

ٹیلے سے لہراتی آواز پر' صحن میں سوئی بھاگی آنکھیں کھول کر کروٹ لیتی ہے۔

"بگلا صحیح تو کہتا ہے' میری ماروی بھی تو چاند ایسی ہے۔"

اورے رات اورے رات میرا محبوب تم نے تو

نہیں دیکھا' اس کے بال اور گھنگھریالی جلکز' ایسی ہی ہے جیسے تو۔ ماروی کے گھنگھریالے بال' جو ساری پشت پر سایہ کیے رکھتے وہ بال زنجیر بن کر اس کے دل کی ہتھ کڑیاں بن جاتے۔ دل بے قابو ہوتا' اس کی پشت پر سانپوں کی طرح لہراتے بالوں کو چھونے کو۔ وہ اپنے ہاتھوں پر ان ریشمی بالوں کا لمس محسوس کرنا چاہتا تھا۔

مگر روایات اور بڑوں کا اعتماد' ضبط کے ان دیکھے پہاڑ کھڑے کر دیتا۔

اور میرا پھول میرا محبوب تم نے تو نہیں دیکھا' اس کا ساتھ اس کی سنگت' ایسی ہی ہے جیسا تو۔" خوشبوئے محبت کی لطافت چاروں اور پھیلتی جا رہی ہے۔ تیزی سے نیچے کی طرف ناچتی گرتی ہے۔

اورے سانپ اورے سانپ میرا محبوب تم نے تو نہیں دیکھا اس کا خوف' ڈنگ ایسا ہی ہے جیسا تو۔

کوئی سانپ اس کے پیروں تلے بدکتا ہے' پھدک کر نکلتا ہے' وہ ہنس کر اسے چھوڑ دیتا ہے۔

محبوب کے جدا ہونے کے خوف سے اسے تشبیہ دی تھی اس کی جان بخشی لازمی تھی' یہ عشق کا معاملہ ہے کوئی مسخری نہیں۔ وہ ناچتا ہے۔ اس کے ساتھ ٹیلا ناچتا ہے اس کے قدموں تلے جیسے سارا تھری رقص کی مدھم تان پر تھرکتا ہو۔ وہ مدہوش ہوا جا رہا ہے۔ اس سے اب دور سے آنے والی جیپ کا انتظار ٹیلے پر نہیں ہوتا' وہ بے تابی سے ٹیلے کی نچلی سطح پر دوڑتا ہے۔

اس کا ایک پاؤں ریت میں دب جاتا ہے' وہ کھینچ کر نکالتا ہے' تو صرف پاؤں چپل سے باہر آتا ہے۔ وہ جلدی میں دوسری چپل بھی اتار دیتا ہے اور ریت اس کے پاؤں کو چومتی ہے لپٹ جاتی ہے' اسے دیکھ کر اونٹ اٹھ جاتا ہے' وہ اس کی مہار پکڑ کر روڈ پر ہوٹل کی طرف رخ کرتا ہے۔

"اس کے من میں محبت کی مدھم مدھم مہک سر دھنتی ہے اور ابراہیم نشی کی ایسی پرسوز محبوب کو ریت نگر سے کھینچنے والی آواز میں' وہ مست ہو کر گنگناتا ہے۔ بی جا رات ٹھہری آہے اٹھرے میں اچن تنہنجو بھاگن بی بھری آہے۔

وہ اپنی بھاگوں بھری گھڑی کو پانے جارہا تھا۔



ماروی نے جیپ کے شیشے سے اس بار اپنے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے چاند کو دیکھا۔ چاند جو محبوب جیسا دکھتا اور پریت کا پیغام چھوڑ دیتا۔

اور چاند ایک آنکھ سے محبت میں ناچتے کھیت کو دیکھ رہا ہے۔ دوسری آنکھ سے ماروی کو خاموشی کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ شانت سکون سمے سے سوچ کا سورج طلوع ہوتا ہے۔ تصویر محبوب دل کے نہاں خانوں سے ابھرتی ہے کھیت اس کی دید کا مشتاق بھٹوں پر اس کی آمد کے انتظار میں مور کی طرح ناچتا رہا ہے۔

وہ ساتھ چلتے چاند کو دیکھ کر مسکرائی ہے۔ اس وقت وہ گاڑی میں سوئی شمع اور عبداللہ کے خراٹوں بھری نیند سے غافل ہوجاتی ہے۔ اس نے آہستہ سے شیشہ نیچے کیا' چھوٹی سی درز سے ہوائیں اپنے ہوش و حواس کرکے اس سے آلپٹیں اس نے لمبی سانس کھینچ کر محبت کی آکسیجن اپنے اندر اتاری۔

سپنے اس کی آنکھوں کی منڈیروں پر آکر چپکے چپکے مسکاتے رہے۔ اس نے تتلی کے پروں کی مانند چپکیلے سے اک سپنے کو چٹکی میں تھاما۔

چھوٹے ڈیم سے بننے والی واٹر کی خوب صورت قطار کھیتوں سے گرد پھیلتی جارہی تھی۔ تھر کی ریت پر لہلہاتے کھیتوں کے ایک طرف ترتیب سے بنے ہوئے پکے مکانات' ان کے بیچ بنا شاندار اسکول اور اس میں پڑھاتا ہوا کھیت' اس نے خوشحالی کے خواب کو آہستہ سے سنبھال کر اپنی جگہ رکھا۔

اس نے آنکھ کی منڈیر سے دوسرے سپنے کا جگنو پکڑا۔

اک خوب صورت ہٹ نما چھوٹے سے خوب صورت گھر میں وہ کھیت کے ساتھ' قحط کے دنوں کی پلاننگ کررہی ہے' کیسے تھریوں' تھر کے باسیوں کو اناج دینا اور روزگار سے لگانا ہے۔ اس کے ذہن میں کئی منصوبے آرہے ہیں' جن کی تعبیر پانے کی جستجو اسے سندھ یونیورسٹی میں سوشیالوجی میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کرنے کو کھینچ لائی تھی اور پھر ان منصوبوں کی سطح پر' کھیت کا وجود ابھر کر نمایاں ہوجاتا ہے۔

اور کھیت جو گا رہا ہے۔ اسے مسیج بھیج رہا ہے' اس کے میسجز پر بے تابیوں پر' ماروی پر یہ بھید کھلتا ہے کہ کھیت کا وصال وہ میٹھا بھت (میٹھے چاول کا زردہ) ہے جو تھر باسیوں کو کئی روز کے فاقوں کے بعد میسر آرہا ہو' اس نے پہلی بار سوچا محبوب کا ہجر بھی قحط جیسا ہی ہے وہ پلک جھپک جھپک کر آنے والے ہر خیال کو من کی اور بھیجتی ہے۔

چاند اب بھی اس کی ہم سفری پر مسکرا رہا ہے۔ اس نے بہت احتیاط سے آنکھیں میچ کر' سارے سپنے اپنے اندر سمو لیے۔ بند آنکھیں گاڑی رکنے کے جھٹکے سے کھلیں۔ آناً "فاناً" جیپ کے دروازے کھلے' گھسیٹ کر عبداللہ اور ڈرائیور کو روڈ پر پھینکا گیا۔ اس کے ساتھ بیٹھی شمع کو دوسری طرف سے بازو سے کھینچ کر اتارا گیا۔ اسے ایک لمحے کو یہی لگا کہ یہ ڈاکو شاید گاڑی لے جانا چاہتے ہیں۔ اس نے دیکھا ڈرائیونگ سیٹ پر ایک نقاب پوش براجمان ہوچکا تھا۔

باہر اترنے کا صرف ایک ہی راستہ تھا۔ دوسرے دروازے سے شمع کے پیچھے اترنے کا' اس نے مستعدی سے شمع کے پیچھے اترنے کی کوشش کی' شمع کو اتارنے والا اب گاڑی میں چڑھ آیا تھا۔ اسے دھکا دے کر اپنی سیٹ پر گرا کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ تیسرا آدمی اگلی سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کرچکا تھا۔ اس نے ایک چیخ ماری اس کے منہ سے عبداللہ کے بجائے کھیت نکلا' اگلے ہی لمحے بھیگا رومال اس کے منہ پر تھا۔ ماروی نے بمشکل سر سے کھسکنے والی چنری کو اپنے ہاتھوں میں تھاما' بے ہوش ہوتے وقت اس کے ذہن کی اسکرین پر کھیت ساکت تھا' بھٹ شاہ میں بھٹائی کی وائی کرلائی بھالوا میں ماروی کی روح بے چین ہوئی۔

تھر کی دنیا بھی عجیب تھی۔ جہاں وہ پل کر جوان ہوئی۔ وہ ماروی عُمر کی غربت کا بن باس لے کر ہاتھ میں

تختی پکڑے ببول کے درخت تلے جا بیٹھی۔ اس کا ہاتھ پکڑنے والا کھیت تھا۔ جس نے اسے اپنے قریب بٹھایا۔

"ابا! ماروی کو بھی پڑھا۔" اس نے تختی ابے کے گھٹنوں پر رکھی۔ کامبھ باندھ کر دونوں گھٹنے کھڑے کر کے ان کے گرد اجرک کمر کے پیچھے اڑس کر گھٹنوں کے گرد باندھ کر سندھی صوفیانہ طریقے پر بیٹھے ہوئے سجن سندھی نے تختی اٹھا کر ماروی کو مسکرا کر دیکھا۔

"ماروی! پڑھے گی؟"

"جی ابا! پڑھے گی؟" ماروی سے پہلے کھیت کا جواب بے تابی سے آیا۔ ماروی نے شرما کر اثبات میں سر ہلا کر کھیت کی تائید کی۔

اجرک کی گانٹھ کھولتے ہوئے سجن دو زانو ہو کر تھر کی ریت پر عاجزی سے بیٹھ گیا۔ ماروی کو گھٹنے پر بٹھا کر تختی تھمائی۔

"الف انب (آم)

ب بلا۔ بلا دیکھی ہے۔ جو ریت میں رینگتی ہے۔"

ماروی نے فوراً" اس بات پر سر ہلایا۔

"کل ابا نے ماری تھی اتنی بڑی۔"

"اچھا" بھئی واہ۔ تمہارے ابے نے تو کمال کر دیا۔ ورنہ وہ ہمیشہ پورا گاؤں اکٹھا کر لیتا ہے۔ اگر کہیں بلا دیکھ لے تو۔" وہ جی بھر کے ہنسا۔

"ارے سجن! کیا بیٹی پڑھا رہا ہے میری ماروی کو؟"

"ارے پاندھی! تو بھی پہنچ گیا۔ تیرا پندھ (راستہ) کبھی گم نہیں ہوتا۔ ہمیشہ بات پکڑنے کو عین موقع پر پہنچ جاتا ہے۔"

"تو میری غیبت کرتا ہے، مجھے پتا چل جاتا ہے۔" پاندھی نے ببول کے درخت کے نیچے رکھے مٹکے کے اوپر رکھے مٹی کے پیالے میں پانی انڈیلتے ہوئے کہا۔

"تو تھریا ہو کر ٹانگ بلاؤں سے ڈرتا ہے۔ ہنسی تو آتی ہے نا بھلا" تیری اس بزدلی پر۔"

"بس بس سجن! تو تو ٹھول کا موقع جانے نہیں دیتا۔ سارا دن مشکوری۔" وہ غٹاغٹ دوسرا پیالہ پانی کا پی گیا۔

"تو بھی تھر کی طرح پیاسا ہے۔"

"ارے سجن! پیاسا تو ہر کوئی ہے۔ محبت کا، مال کا۔ جو سکون دے اس خوشی کا۔"

"بھلا تھر والوں کا سکون تو صرف پانی ہے۔ ساری خوشیاں مند ملہار سے جڑی ہوئی ہیں۔"

"چنگو (اچھا) بھاؤ! اب میں چلتا ہوں۔ میری ماروی کو پڑھانا۔ پہلے لوئی لج (چادر عزت) کا سبق جو ماروی کی شان ہے۔ جس سبق سے ماروی، ماروی بنتی ہے۔" پاندھی نے اجرک لپیٹ کر کندھے پر رکھی۔

"ارے فکر نہ کر پاندھی۔ یہ سبق تو تھر کی ہر بیٹی کو ازبر ہے۔ سب سے پہلا سبق جو ماں کی گود سے سن کر بڑی ہوتی ہے۔ یہی لوئی لج کا ہی تو ہے۔"



وہ ماروی بھی بھلا کیا ماروی تھی۔ اک غریب تھریاسی کی بیٹی۔ جو تھر کی جنگلی جڑی بوٹیاں جمع کرتی پھرتی جو مویشی اور لوگ بھی کھاتے، بکریاں چراتے چرواہے۔ وہ ایسی ہی تھر کی سفید چاندی جیسی ریت سے رزق لیتے۔ رزق کی فراوانی تھریوں کے لیے مفقود ہے۔ تھری تو اپنے رازق کا ان جنگلی پھل اور بوٹیوں پر شکر ادا کرتے کہ یہی چیزیں تھریوں کے پیٹ کا ایندھن تھیں۔ مگر جب مند ملہار آتی، ابر باراں برستا پھر تو تھریوں کے وارے نیارے ہو جاتے۔ رزق کی فراوانی ان کا قحط ختم کر دیتی۔ مال مویشی، مارد سب خوش۔ اللہ سائیں رزق کے دروازے کھول دیتا۔ اور تھر کی زمین سونا اگلتی، خربوزے، تربوز، ٹنڈے، گوار کی پھلیاں، باجرہ، چاول تھریوں کے پیٹ سے لگے پیٹ پھولنے لگتے۔ وہ خوشی سے جھوم جھوم گاتے، ملہار گنگناتے۔ ان کے سانولے بدن تھرتھرا اٹھتے کیوں کہ چاندی ایسی جلتی ریت سبز پوشاک پہن لیتی، اسے ساون نے سجا دیا۔ قدرت مہربان ہو گئی۔ قادر نے کرم کیا۔ کن من برستی بوندوں نے من میں ملن کے میلوں کی آس جگا جاتی۔ اب تھریاسیوں کے منتھار لوٹ آئیں گے ان کے دھنار (چرواہے) جو مویشیوں کے ریوڑ لے کر نہری علاقوں

کی اور ہجرت کر گئے وہ پاندھیر گے (پیدل چلنے والے) قحط کا بن باس کاٹ کر اپنی ملکاؤں کے من موہنے واپس لوٹیں گے۔ ان کے مویشی دوڑیں گے۔

من موہنی ملکائیں۔ ملن کے سندیسے پا کر خوش ہو کر سات سنگھار کے سنگھاسن پر بیٹھیں گی۔ سپنوں کی تعبیر ملنے کا وقت آیا چاہتا ہے۔ وصال کی وائیں (سندھی شاعری کی اک جنس) فضا پر فسوں طاری کر دیتی۔ اور ایسے ہی فسوں میں گھری ماروی کی ماں بھاگی اپنے پاندھی کے انتظار میں تھی جو بدین مویشیوں کا ریوڑ لے کر گیا تھا۔

ماروی روز اپنے ابے کو یاد کرتی۔ تاروں بھرے آسماں کے نیچے اپنے آنگن میں چارپائی پر لیٹ کر بازو ماں کے گلے میں ڈالتی۔

"اماں! ابا کب آئے گا"

"جب قحط ختم ہو گا۔" بھاگی کی قحط زدہ آواز ریت میں سرسراتی بلاؤں کی طرح پھوں پھوں کر کے پھنکارتی۔

"اور قحط کب ختم ہو گا؟" ماروی زچ ہو کر کہتی۔

"جب سکار ہو گا۔" سکار (خوش حالی) کا لفظ آہ بن کر ظاہر ہوتا۔

"اماں! آخر سکار کیوں نہیں ہوتا؟" ماروی روہانسی ہو جاتی۔

"تو دعا کر رب رحم کرے۔ والی مینہ برسائے پیاسی دھرتی سیراب ہو اور سب کے وارث واپس آئیں۔" بھاگی کی آواز بھرا گئی۔ تارے دھندلا گئے۔

"اماں! تو رو رہی ہے؟"

"نہیں دھی۔" اس نے غربت کا پیوند لگے پلو سے آنکھیں پونچھیں۔

"اللہ سائیں تھر وسے (برسے) ریگستان وسے۔" اس نے اپنے باپ کی زبانی سنی دعا فوراً" دہرائی۔

"اماں اب مینہ برسے گا نا؟ اور تو روئے گی بھی نہیں۔"

"ہاں میری بچی!" اس نے آس سے کہا۔ آنکھ سے بہے شبنم کے قطرے تکیے میں جذب ہو گئے۔ وہ بھی تو پیاسی تھی اپنے سر کے سائیں کی۔ اس کا من بھی تو ویران تھا اور گھر کے تسلے میں دو روٹی کا آٹا۔ کتنے روز سے وہ اک ہی روٹی پکا رہی تھی۔ ماروی کے سامنے رکھ کر کسی کام کے بہانے اٹھ جاتی اور سیانی ماروی آدھی روٹی کھا کر آدھا پیٹ بھر کے تختی لے کر چاچا ساجن سندھی کے ببول کے درخت کے نیچے آ کر بیٹھ جاتی۔

چاچا ساجن سندھی نے دوسرے دن اسے گود میں بٹھا لیا۔ اس کی چہرے پر بھوک رقم تھی آدھا پیٹ' آدھی روٹی' آدھی بھوک اور پورا درد' جو کہ مشترکہ تھا' تھر کے باسی واقف حال تھے۔ اک دوجے کے۔

اس دن چاچا ساجن اس کو پکڑ کر اپنے گھر لے آیا۔ کھیت کے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اس نے دو نوالے لینے کے بعد انکار کر دیا۔

"کیوں دھئی! مائی کیوں نہیں کھا رہی؟"

"چاچا! باقی اماں کے ساتھ جا کر کھاؤں گی۔" آدھی روٹی کا درد مشترک ساجن سندھی کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

"کتنی حساس بچی ہے۔ بھوک میں بھی ماں کو نہیں بھولتی۔"

"ماروی جو ہوئی۔" چاچی کے اس جملے نے اس کا سر فخر سے بلند کر دیا۔

کھیت نے روٹی لپیٹ کر چنگیر اٹھا کر اور سالن کی پلیٹ رکھ دی۔

"چل تیرے ویڑھے میں اکٹھے کھاتے ہیں۔"

"بھاجائی 'کب سے آنا نہیں۔" اس نے تسلے کا ڈھکن اٹھا کر خالی تسلے کو دیکھ کر استفسار کیا۔

"بھاؤ 'بس ادا جمن آیا ہی نہیں ایک ماہ ہو گیا۔ اس کے گج تیار ہیں۔" جواباً" مختصر عذر پیش کیا۔

"بھلا ادھار کی ماں تو نہیں مری۔" ساجن کی آواز میں تاسف جھلکتا تھا۔

"پاندھی نے بھی کوئی قاصد نہیں بھیجا۔ ورنہ وہ چار پیسے بھیج دیتا ہے۔"

اب کیا بتاتی تھر باسی سارے ہی ایک جیسے تھے' دونوں وقت آدھی روٹی کھانے والے اور ہندو سیٹھ کی

اکلوتی دکان سے ادھار آٹا لینا گوارا نہیں کہ اس کی ناگوار نگاہیں غیرت پر حملہ تھیں۔



اور کچھ ہی عرصے بعد وہ گج ثقافتی میلے کی زینت بن کر چکا چوند روشنیوں میں اپنی چھب دکھارہا ہوگا۔ اس کے شیشوں کا عکس ان روشنیوں پر تھرکتا ہوگا اور کوئی سیاح ہزاروں میں خرید کر اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں دیوار پر سجا کر ہر آنے والے مہمان کو بتارہا ہوگا' یہ ہاتھ کا کام ہے۔ جو صحرائے تھر کی عورتیں کرتی ہیں۔ مشینی دور کے مشینی انسان کے لیے بہت بڑی بات ہو گی ہاتھ سے بنا ہوا گج۔

یا کسی امیر کبیر خاتون نے کسی ثقافتی شو میں پہننے کے لیے خرید لیا ہوگا اور اس پہننے والی خاتون کو یہ اندازہ ہی نہیں ہوگا کہ اسے کاڑھنے والی مٹیالے رنگ کی عورت نے کتنی امیدوں سے اسے کاڑھا ہوگا۔ اک اک ٹانکے میں اپنی اک اک حسرت ٹانک کر اس کے بڑے بڑے شیشوں میں اپنا عکس دیکھ کر مسکرا کر اپنے ہی ہنر کو داد دی اس کے مشقت بھرے سیاہی مائل ہاتھ کی رگیں' وہ دھاگے کھینچتے ابھر آتیں اور وہ شیشہ اپنی جگہ پر ٹھیک لگاتے سوئی دانتوں میں دبا لیتی ہو گی۔

یہ گج دنوں اس کی توجہ اپنے جانب کھینچ کر اس کے حواس پر چھایا ہوگا' وہ ہر کام کرنے کے بعد فورا" اسے اٹھانے کو سوچتی ہو گی۔ جب میلوں پیدل چل کر وہ کنویں سے پانی بھرنے جاتی ہوگی۔ تو دوہرے مٹکے سر پر دھر کر اک گھڑا بازو پر اٹھا کر وہ تیز تیز چلتی ہو گی۔ اسے گج کا رہا سہا کام یاد آتا ہو گا۔ جلدی جلدی لکڑیاں چنتے' روٹی پکاتے' لسی بلوتے اور اگر بکری دودھ کے لیے پالی ہو گی تو اسے چراتے یہی خیال ذہن میں آتا ہو گا کہ ابھی گج کا اتنا کام باقی ہے۔ کر لوں تو چار پیسوں کا آسرا بندھے اور ان چار پیسوں کے انتظار میں دنوں کراچی سے آنے والے دلال کا انتظار کرتی ہو گی۔

اور جب وہ دلال اس سے بھاؤ تاؤ کر کے وہ گج آٹے کے کلو کے عوض خرید تا تو اس کے ارمانوں پر اوس پڑ جاتی' پڑے کے پیوند یونہی اس کی غربت کے چولے پر لگے ہوتے' نہ نیا جوڑا ملتا' نہ نیا چوڑا' بس آدھی روٹی' آدھی بھوک پورا درد۔

ساری حسرتیں تھر کی ریت میں بچھو کی طرح چھپ جاتیں اور وہ بچھو ڈنک مارتا۔ تیرے چولے کی ادھڑی ہوئی سلائی' تیرے پڑے کے پیوند' تیری چنری کے چھید' وہ زہر پی جاتی مگر ماروی کے پرانے کپڑے اور آدھی روٹی۔ پوری بھوک سارا درد زہر بن کر اس کو نیلوں نیل کر دیتا۔ اور بھلا ان باتوں کا اس گج کو گھر میں سجانے والے' مرمریں جسم پر پہننے والوں کو کیا پتا کہ ان کی رقم نے دلالوں کے پیٹ بھرے اور کاڑھنے والی کی بھوک بڑھی۔



اس دن وہ بھرے ہوئے پیٹ سے اسکول دوڑتی جاتی۔ بلند ٹیلے خاک اڑاتے رہتے اور ٹیلے کی آڑ میں بنے ببول اسکول کے نیچے بیٹھے آٹھ دس طالب علموں کو دیکھتے رہتے۔ ان ٹیلوں نے صدیوں پہلے اس ماروی کو بھی دیکھا تھا جسے عمر پانی پلانے کا کہہ کر کنویں سے اٹھا کر لے گیا تھا۔

اور اب اس ماروی کو بھی دیکھ رہے تھے۔ جس کے پاؤں اسی نقش قدم پر اٹھتے تھے۔ جو چاچا ساجن سندھی سے ہر روز نصابی سبق لینے کے بعد صدیوں پہلے ماروی کے قصے کی کوئی نہ کوئی بات اپنے پلو میں باندھتی تھی۔ اور اس کے قریب بیٹھا کھیت اسے محویت سے تکتا رہتا۔ چاچا ساجن اس کی نظروں کو جانچتا تولتا اور دل میں عہد کرتا ہے' ماروی میری ہی بہو بنے گی۔ اور اب کی بار سکار ہو تو میں اس کی کھیت سے پدھری (بات پکی) کردوں گا۔

اور یوں اللہ نے کرم کیا۔ اس سال مینہ ٹوٹ کے برسا' سارا تھر جل تھل ہو گیا۔ رزق کی فراوانی ہوئی اور ان ہی دنوں ساجن نے اپنے دوست پاندھی سے ماروی کا رشتہ کھیت کے لیے مانگ لیا۔

بات پکی ہوگئی اور گیارہ سالہ ماروی پندرہ سالہ کھیت سے منسوب ہوگئی' انہوں نے ننگر پار کر شہر سے لائے ہوئے زرد لڈو بانٹے اور سارے گاؤں میں دھوم مچ گئی کہ کتنی شان دار پدھری ہے کہ ساجن نے تو نان ختائیاں نہیں شہر کی بنی پکی مٹھائی بانٹی اور لوگوں کو گڑ کے بنے چاول بھی کھلائے۔



ماروی کے من میں محبت کی میخ ٹھونک دی گئی۔ کھیت کی چاہت نے اس کی کامیابیوں میں اہم کردار ادا کیا۔ سندھ یونیورسٹی جاتے ہوئے' راستے میں وہ بدین اتر گیا۔

"ارے ارے کہاں جارہا ہے کھیت۔"

"بس چاچا! ابھی آیا۔"

"دیکھ اس کے کام بس ابھی چل پڑے گی۔"

ارے چاچا! فکر نہ کر تیرا بیٹا آجائے تو پھر چلاتے ہیں لاری کو۔ کنڈیکٹر نے اسے دلاسا دیا۔ وہ بار بار کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھتا رہا دور سے کھیت کو آتے دیکھ کر ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر اسے اشارے سے بلایا۔

"دوڑ ابا! جلدی۔"

اس کی آواز سن کر اس کے قدموں میں تیزی آئی۔ وہ جب بس پر سوار ہوا تو اس کی سانس پھول رہی تھی۔ ڈرائیور نے بس اسٹارٹ کردی۔

"ابا! تیرے بھی یہ انصاف ہیں' اتنی دیر کرادی۔"

پاندھی شکوہ کناں ہوا۔

کھیت کھسیانا ہو کر ہنس دیا۔ ماروی نے اسے دیکھ کر مسکراہٹ کا تبادلہ کیا اور سر سیٹ کی پشت سے ٹیک کر آنکھیں موندلیں۔ اس کی ذہن کی اسکرین پر آنے سے پہلے والے مناظر تیرتے رہے۔

اس کی ماں نے اس کے لیے بھوگاڑو (ڈرائی فروٹ کی مٹھائی) بنایا' بسری پکائی' تل کے لڈو بنائے اور کھیت کے ہاتھوں منگوائے ہوئے سوٹ کیس میں ساری چیزیں رکھ دیں۔

"اماں! وہاں شہر ہے' ہر چیز ملتی ہے یہ زاد سفر ہم تھریوں کے لیے ہے۔ جو تھر کے بیابانوں میں رہتے ہیں۔" وہ کھلکھلائی۔

"بس دھئی بس۔ وقت بے وقت بھوک لگ سکتی ہے۔ اپنے پاس چیز پڑی ہوگی تو نکال کر کھالے گی۔ ورنہ تو باہر نکل کر لینی پڑیں گی ناں اور دماغ خشک ہو جائے پڑھائی میں تو فوراً" بھوگاڑے کی اک ٹکیہ کھالینا اصلی گھی اور مغزیات کی طاقت ملے گی۔"

"اچھا ٹھیک ہے' جو میری ماں کا حکم۔"

"حکم ہی ماننا ہے تو دھی سب سے پہلے میرا یہ حکم پلو سے باندھ لے کہ لوئی لج کبھی بھی نہ لجانا۔"

"اماں! میں ماروی ہوں ماروی۔" اس کے پرعزم لہجے نے بھاگی کے دل سے سارے وہم دور کردیے۔

باپ کے خراٹوں پر اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ سامنے والی سیٹ پر بیٹھے کھیت کی نگاہیں خود پر مرکوز دیکھ کر وہ بہت دل سے مسکرائی تھی۔

ان دونوں کے بیچ دوری کی کسک کھسک آئی تھی۔ جن کے من میں محبت کی مستیاں مست مگن تھیں۔ کنڈیکٹر کے بیچ میں سے گزرنے پر وہ اک لمحے کو اک دوجے کی آنکھوں سے اوجھل ہوئے اور یہ بھی انہیں ناگوار گزرا تھا۔

"بیٹھ جا بھاؤ' کیوں بار بار آجاتا ہے ہمارے بیچ۔" اس کی آخری سرگوشی صرف وہ ہی سن سکی۔ اس کے ہونٹوں پر ہنسی کے پھول کھل گئے' کھیت نے اک لمحے کو آنکھیں موند کر اس منظر کو اپنی پتلیوں میں قید کیا تھا۔

انہیں بدین سے جام شورو پہنچتے تین گھنٹے لگ گئے۔

"ماروی!" ہاسٹل کے گیٹ پر پاندھی نے اس کے سر کو چومتے ہوئے کہا۔

"دھی اپنی لوئی لج (چادر' عزت) کی حفاظت کرنا۔"

"ابا! یاد نہیں میں آپ کی ماروی ہوں' لوئی لج کا سبق بچپن سے ازبر ہے۔"

"ہاں' مجھے یاد ہے میرا بچہ!" پاندھی نے اسے سینے

سے لگالیا۔

کھیت نے اس کا سوٹ کیس اس کے پاس رکھ کر بدین سے لینے والا کالا شاپر کھولا۔ اس سے رنگین چنری نکالی' کھول کر ماروی کو اوڑھائی۔ "یاد رکھنا تو میری ماروی ہے۔" اس کا لہجہ بھیگا تھا۔

اس نے چنری کے پلو مضبوطی سے تھامے۔

"یہ ماروی کی ریت نہیں کہ محبوب کو سونے کے بدلے میں دے دے۔ اسے بھول جائے۔ جھونپڑیوں کی محبت' محلوں کے برابر نہیں سمجھوں گی۔" اس کے پرعزم لہجے پر متزلزل ہوتے یقین نے پھر سے کھیت کے دل کا کونا پکڑا تھا۔ اس سے وہ دونوں دل سے مسکرائے تھے۔

"ابا اب چلیں واپس۔"

"اماں دھی رانی اللہ کے حوالے۔" پاندھی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"اللہ وائی۔" ماروی نے دونوں کو دیکھتے کہا۔

واپس پلٹتے کھیت کی آنکھوں میں جدائی' نمی بن کر نمودار ہوئی۔

"بس بیلی بال (بچہ) نہ بن۔" پاندھی نے کھیت کے گلے میں باہیں ڈال کر ہنستے کہا اور اجرک کے پلو سے چپکے سے اپنی بھی آنکھیں پونچھ لیں' چوری پکڑے جانے پر کھیت نے بھی زور سے اسے بازوؤں میں بھر کر بس میں سوار کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ چنری ماروی کی پہچان بن چکی تھی۔ وہ تھر کی ماروی کہیں بھی آتے جاتے وہی چنری چادر کے طور پر اوڑھتی۔

اس کی روم میٹ' کلاس فیلوز اس پر ہنستیں۔

"ماروی کوئی اور بھی چادر ہے کہ نہیں؟" وہ مسکرائی۔

"بھئی تم کیا جانو' جن کے تن کورے کاغذ ہوں۔ جن پر کوئی محبت کی تحریر عشق کی پکی سیاہی سے لکھی ہی نہیں گئی۔"

"اوہو ہو۔" اس کا پورا گروپ لمبی تان الاپتا' وہ کھلکھلا اٹھتی۔

"اور نہیں تو کیا۔ تم لوگوں کو کیا پتا کہ میرے من کو کیسا قرار ملتا ہے اس چنری کو اوڑھ کر۔"

"ارے لڑکیوں بالیوں! اس کی چنری کو ذرا جھاڑ کر تو دیکھو۔ کہیں کھیت تو نہیں چھپا ہوا۔ ہم بھی دیکھ لیں اس سرسبز کھیت کو۔" شمع کی جولانیاں اپنے عروج پر پہنچ جاتیں۔

"تو جلتی رہ شمع' کھیت چھپا ہوا نہیں' میرے دل کے پلو سے بندھا ہوا ہے۔" مشترکہ قہقہے پورے کمرے میں گونج اٹھتے۔

"ارے پگلیو! اس کی محبت کی میخیں میرے من میں لگی ہوئی ہیں۔ تمہیں کیا پتا' میری ہڈیاں یہاں ہیں' روح تو اس کے پاس ہے۔"

"لو جی اب نئی تکنیک آگئی' پہلے سنتے تھے کہ محبوب کے پاس دل ہوتا ہے۔ اب روح بھی رہنے لگی۔"

"پاگل' محبت روح کا ہی تو رشتہ ہے' ورنہ دل بیچارے کی کیا مجال کہ اس ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو اپنے اندر سمو سکے' یہ روح کی طاقت' روح کی توانائی ہی ہے جو اسے یہ جذبہ پالنے کی توفیق دیتی ہے۔"

"ہم مان گئے تمہارے تجربے کو بابا! بحث نشستہ۔" وہ یک زبان ہو جاتیں۔

"تم مادیت کے بیوپاری دل کا دھندا کیا جانو۔" وہ شرارتاً ہنستی۔

"اوہو' تو یہ دل کا دھندا صرف دیہاتی ہی جانتے ہیں کیا۔" شمع کی زبان تیز ہوئی۔ "بھلا کیا بیچتے ہو اس دھندے میں۔"

"اپنا وقت' جو تم لوگ کسی کو نہیں دے سکتے۔ اپنا خلوص' اپنی چاہت' محبت' پریت' پیار' خواب' درد' حسرتیں' پوری جان ہی تو رہن رکھ دیتے ہیں۔ انمول سوداگر' یادیں لو سے سلگتے ہیں اے شمع فروزاں' کچھ اور پوچھنا ہے تو پوچھ لے۔" ماروی کے لہجے سے اک شان بے نیازی امڈی پڑتی تھی۔

بات شمع کے دل کو لگی۔ وہ لوگ وقت کے گرد

بھاگتے اور وقت ان کے ہاتھ نہ آتا تھا۔ ان کو اپنے پیچھے دوڑائے رکھتا وقت، سیلاب تھا جو اپنائیت، خلوص، پیار، وضع داری، اقدار اور سب سے قیمتی متاع محبت کو بہائے لیے جاتا تھا اور دیہاتیوں کے پاس وقت ٹھہر جاتا۔ اپنے دامن سے سارے انمول موتی، محبت، وفا، خلوص و پیار کے بچن لینے کی مہلت مہیا کر دیتا، وقت سبک رو نجھیل کی مانند بہتا، جہاں اپنائیت کے سارے پنچھی آکر بسیرا کرتے اور اپنے اپنے حصے کا خلوص، پریت، پیار، انسانیت، محبت کا رزق چگتے۔

مادہ پرستوں اور محبت پرستوں میں اک یہی فرق تھا۔ وہ وقت کے غلام تھے اور یہ وقت کی قید سے آزاد پھرتے تھے۔



عمر سومرو نے اسے پہلی بار لائبریری سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے سر پر سلیقے سے اوڑھی ہوئی چنری نے اس کی توجہ کھینچی۔ اس کی اٹھان میں اک شان بے نیازی تھی۔ اس کی توجہ کہیں نہیں تھی۔ اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتابوں اور اٹھتے ہوئے قدموں کے سوا حسن اس کی ذات سے چھلک چھلک پڑتا تھا۔

"کافی مغرور لگتی ہے۔" اس کی خود کلامی پر عبداللہ نے کتاب سے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں دور ہوتی ماروی کو۔

"نہیں خوددار اور غیرت مند۔"

"نیا مال ہے یونی میں۔" وہ اسے مسلسل دیکھتے ہوئے ہنسا۔

"یار! تمیز سے بات کر۔ ہر کسی پر جملے کستے ہوئے اتنا تو سوچ لیا کر کہ وہ بھی کسی کی بہن بیٹی ہے۔" عبداللہ کو اس کا لہجہ، انداز دیکھنا، کچھ بھی اچھا نہیں لگا۔

"بڑی حمایت کر رہا ہے۔ جان پہچان کہاں تک پہنچ گئی کہ دوست کو بھول گیا۔" عمر سومرو کو اس کی باتیں سخت بری لگیں۔

"یقین کر اس لڑکی سے میری آج تک کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔" عبداللہ زچ ہوا۔

"پھر دل میں بس گئی ہے کیا۔" عمر نے طنز کیا۔

"ہے بھی بسنے والی۔"

"نہیں، میری کوئی جذباتی وابستگی اس لڑکی کے ساتھ نہیں مگر کچھ لڑکیوں کو دیکھ کر ان کی عزت کرنے کو جی چاہتا ہے، ان کے بلند کردار کی وجہ سے۔ یہ لڑکی بھی ان میں ہی سے ہے۔" عبداللہ نے اپنا مؤقف بیان کیا۔

"ارے دیکھتے ہیں، سالی کتنی دیر تک پارسا رہتی ہے۔" عمر سومرو استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

"تم نہیں سدھرو گے۔ ہر ایک کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا اچھی بات نہیں۔ عمر سومرو! خیال سے جانا۔ شکار کرتے کرتے کبھی بندہ خود بھی شکار ہو جاتا ہے۔" عبداللہ نے تنبیہہ کی۔

"تمہارے دوستانہ مشورے کا شکریہ۔ عمر سومرو صرف شکار کرنا جانتا ہے۔ ہونا نہیں۔"

"بہت زیادہ خود اعتمادی بھی بندے کو لے ڈوبتی ہے۔"

"فکر نہ کرو عبداللہ! تمہارا یار کھلاڑی ہے، اناڑی نہیں۔"

وہ بات تو عبداللہ سے کر رہا تھا۔ مگر اس کی آنکھوں میں اس چنری والی لڑکی کا انداز بے نیازی گردش کرتا رہا۔ وہ بالکل غائب دماغی سے بولتا جا تا تھا اور پھر اچانک ہی جی اچاٹ ہونے پر باتیں ادھوری چھوڑ کر اپنی گاڑی میں آبیٹھا۔

"پھوگ۔" اس نے اپنے کمدار کو پکارا۔

"جی سرکار۔"

ایک لڑکی آئی ہے یونیورسٹی میں، کل اس کا اتا پتا معلوم کرنے کی مہم پر نکل جانا۔"

"حاضر سرکار۔" پھوگ ہنسا۔



"انسان میرا راز ہے، میں اس کا راز ہوں۔"

"میں بندہ تو معبود تیری وحدانیت میں کوئی شک و

شبہ نہیں۔

تمہاری یاد' پیار' ذکر اے میرے محبوب تجھ سے محبت کرنے والوں کے لیے باعث افتخار ہے۔

تجھ کو پانے ڈھونڈنے والی ہر دلیل بات برحق ہے' سچ ہے۔

ماروی 'الانسان سری' میں گم ہو چکی ہے' وجود کو کھونے کی جستجو میں محو "میں" کو فنا کرنے کی لگن کو معدوم نہ ہونے دیتی' وہ اس راز کو جان چکی ہے۔ عبد جب فنا ہو تو ہی بقا کو پہنچتا ہے۔

عشق کے چڑھتے سورج کے ساتھ ہی ان نینوں کو (مہرین) محبوب واحد و یکتا کو دیکھنے کی عادت ڈال اگر ماروی تمہارے نین ادھر ادھر کو جھانکیں' غیر پر فدا ہوں تو ایسے نادان نینوں کو نوالے بنا دو کووں کے' زاغوں کے ماروی کو الست کی صدا یاد آتی ہے اور قالو بلیٰ۔ کا اقرار اس عمر کوٹ دونیا میں نہیں بھولتی۔

بس..... بس ایک محبوب مائل ہو جائے۔ اس پر نظر کرم ہو جائے۔

قلب کو قرار ملے۔ احد کے اسرار میں جو محو ہو گئے۔ وہ کسی اور کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتے اسی راز میں پوشیدہ رہتے ہیں۔

ماروی اس درجے کے لیے پریشان اس عالم ناسوت میں ماری ماری پھرتی توفیق الٰہی پانے کے لیے کبھی بھٹائی کی روحانی رمز میں رہتی اور کبھی سچل کی سرمستی میں سما جاتی۔

ماروی! خدائے ازل و ابد تیرا راستہ آسان بنائے۔

☼ ☼ ☼

اس کے ہاتھ میں سوشیالوجی کی کتابیں تھیں۔

"تم پہلے اس ڈپارٹمنٹ میں جاؤ۔" اس نے آدھا گھنٹہ پہلے پھوگ کو کہا تھا' خود گاڑی میں بیٹھا رہا۔

بھلا عمر سومرو کی یہ شان ہے کہ کسی لڑکی کو ڈھونڈنے خود نکل کھڑا ہو؟ اس نے نخوت سے سوچا' وہ گاڑی میں بیٹھا' موسیقی سے لطف اندوز ہوتا رہا' چیونگم چباتا رہا۔ ایک گھنٹے بعد پھوگ دوڑتا آیا۔

"سرکار! وہ لڑکی تو ماروی ہے' اپنے علاقے کے پاندھی چرواہے کی بیٹی۔"

"اچھا....." وہ خوشی سے ہنس دیا۔ اپنے علاقے کے لوگوں کو تو وہ مال غنیمت سمجھتا تھا۔

"کتنا مول ہو سکتا ہے اس کا؟" اس نے پھوگ کو آنکھ مارتے ہوئے تمسخر اڑایا۔

"سرکار' بس یہی' چند ٹکے یا زیادہ سے زیادہ کچھ زمین۔" پھوگ نے قہقہہ مارا۔

عمر سومرو دل کھول کر ہنسا۔

"دیکھنے میں تو بڑی ان مول لگتی ہے۔ اب دیکھتے ہیں کتنے مول میں بکتی ہے۔ چل ذرا اس سے جان پہچان تو کر لیں۔" وہ پریڈ لے کر نکلی تھی۔

"ارے ارے ادی ماروی!" اس نے پھوگ کی آواز پر رک کر دیکھا۔

"بڑی خوشی ہوئی ہے تمہیں سندھ یونیورسٹی میں دیکھ کر۔"

"اچھا' شکریہ۔" ماروی نے رکھائی سے کہا۔

"یہ میں نہیں کہہ رہا' چھوٹے بھوتار عمر سومرو کا پیغام ہے' آخر میرے علاقے کی لڑکی یونیورسٹی لیول تک پہنچی ہے۔" ماروی کی پیشانی پر عمر سومرو کے ذکر پر شکنیں نمایاں ہو گئیں۔

"ادی ماروی' آؤ میں سائیں عمر سومرو سے تمہاری ملاقات کرا دوں۔ ہمارے علاقے کا "سردار وڈیرہ" ہے۔ سو کام پڑ سکتے ہیں۔ جان پہچان لازمی ہے۔" پھوگ نے اپنے تئیں پتا پھینکا۔

ماروی کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"بھاؤ پھوگ! میں یہاں تمہارے بھوتار سے جان پہچان کرانے نہیں آئی۔ میں ان لوگوں کو اچھی طرح پہچانتی ہوں' اگر پہچان نہیں ہے تو ان بھوتاروں کو نہیں' اپنے غریب ماروؤں کی' ان کے دکھوں کی۔" ماروی کا لہجہ پر تاسف ہوا۔

"آپ کے خیالات سن کر آپ سے مل کر کافی خوشی ہوئی۔" اس کے پیچھے کھڑے عمر نے بات کو سنبھالنے اور تعارف بڑھانے کو کہا۔

"آپ یقیناً" ماروی ہیں۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔"

"مگر عمر سومرو صاحب! مجھے آپ سے مل کر بالکل بھی خوشی نہیں ہوئی۔"

عمر سومرو کے ہونٹوں پر آنے والی مسکراہٹ معدوم ہوگئی۔ یہ اس کی توہین تھی' جس کا وہ کبھی بھی عادی نہیں رہا تھا۔ اک غریب چرواہے کی بیٹی کی یہ ہمت' وہ تپ گیا' چڑ گیا۔ اس کے کان غصے میں لال ہو گئے۔

ماروی رکھائی سے کہہ کر رکی نہیں تھی۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ کا مکا بنا کر دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر زور سے مارا' خالص وڈیرانہ انداز میں۔

سائیں فکر نہ کریں' کہاں جائے گی؟ پھڑپھڑا کر آخر پھنسے گی۔" پھوگ نے دلاسا دیا۔



جام شورو کی ٹھنڈی ہوائیں' دریائے سندھ کے پانی کا لمس لے کر اس کے جسم سے ٹکرا رہی ہیں' اک فرحت بخش احساس اس کے دل میں انگڑائیاں لے کر بیدار ہوا ہے۔ اس نے اپنی کتابیں سرہانے رکھ دی ہیں اور خود کھڑکی سے تاروں کی طرح شہر کی ٹمٹماتی روشنیوں کو سرسری سا دیکھ رہی ہے۔

اسے اوپر تھر کا تاروں بھرا آسمان یاد آتا ہے اور نیچے ماں کی آنکھ سے بہنے والی شبنم اور پیٹھ سے لگے پیٹ کی آدھی بھوک' اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگتی ہے۔

"اللہ سائیں تھر کی پیاس مٹا دے' ماروں کی بھوک مٹا دے۔" تہہ دل سے دعا کی۔

بکریاں چراتا اس کا باپ' لکڑیاں چنتی اس کی ماں اور گاؤں کے اسکول میں اب چاچا ساجن کی جگہ پڑھاتا ہوا کھیت' سب ہی تو اس کے منتظر تھے کہ کب وہ پڑھ کر آئے اور صرف اپنے گھر کی ہی نہیں پورے گاؤں کی قسمت بدل دے۔

کھیت کے نام کا پہنا ہوا چاندی کا وہ چھلا اس کے دل میں میٹھی میٹھی محبت جگاتا ہے وہ آپوں آپ مسکرانے لگتی ہے۔ اس کے دل میں محبت کی گھٹائیں اڈنے لگتی ہیں اور کھیت کی یاد برسنے لگتی ہے۔

اس کی دوستیں اس پر ہنستی ہیں۔

"ماروی کھیت یاد آ رہا ہے۔"

"وہ بھی بھلا کوئی بھولنے والا ہے' اس کی یاد موجود رہتی ہے ہر ویلے' بس کبھی کبھی دل کے کواڑ اور آنکھوں کی باڑھ پھلانگ بیٹھتی ہے' نادان جو ہوئی۔"

وہ سر کو نفی میں جنبش دے کر یاد کو سرزنش کرتی ہے۔

وہ ماروی ہے جس کے من میں اپنے ماروں (لوگوں) کی محبت مچلتی ہے۔ ان محبت کے جلووں میں کھیت کی محبت کا جلوہ سب سے نمایاں' انوکھا' اور بھاری بن کر نمودار ہوتا ہے' وہ اس جلوے میں جلتی ہے اور جلایا جاتی ہے۔

کھیت کی یاد کی لہریں چند سو میل دور ہوا کے رستے کھیت کی روح تک پہنچ کر اسے جگاتی ہیں اور برقی آلہ گنگنا اٹھتا ہے۔

"سارا دن جلتی ہے مگر ظاہر بھاپ تک نہیں ہوتی۔" اس کی آنکھیں کھیت کے بھٹائی کے بیت کے پیغام پر بھیگتی ہیں اور انگلیاں سیل کے کی پیڈ پر تھرکتی ہیں۔

بھٹائی کی زبانی وہ بھی پیغام بھیجتی ہے۔

"نین نیند نہیں کرتے' آنکھوں کی سستی اور نیند ختم ہو چکی ہے۔

وہ گل ہو کر پھر جل اٹھتی ہیں' تمہیں یاد کرنے اے محبوب۔"

رات اپنے پلو سمیٹ رہی ہے اور محبت گزیدہ جاگتے ہیں۔ جب سارے لوگ نیند کی آغوش میں آرام کرتے ہیں۔



اس نے شمع سے رابطہ کیا' شمع' جس کو وہ گھاس بھی نہیں ڈالتا تھا۔

"وہ تمہاری دوست ہے۔ تم پر اعتماد کرتی ہے'

میری سیٹنگ کرادو اس کے ساتھ۔" عمر سومرو کسی لگی لپٹی کے بغیر بولا۔

"تم اس کے ساتھ کیوں سیٹنگ کرنا چاہتے ہو۔ وہ تمہارے علاقے کی اک غریب لڑکی ہے۔" شمع کو عمر سومرو کی خواہش بڑی عجیب لگی' وہ عمر سومرو جس کے لیے کئی لڑکیاں جان دینے کو تیار بیٹھی تھیں۔

"وہ اپنی چنری سمیت مجھے اچھی لگی ہے۔" عمر سومرو نے مدعا بیان کیا۔

"کیوں؟ اس لیے کہ وہ تمہارے پیچھے دوڑنے والیوں میں سے نہیں اور یہ بات تمہاری غیرت کے لیے کسک بن کر رہ گئی ہے۔" شمع کی آنکھیں بات کی تہ تک پہنچنے پر چمک اٹھیں۔

عمر سومرو' ہکا بکا رہ گیا تھا۔ لب بھینچ کر اک ساعت کو سوچا۔

"تم کچھ بھی سمجھ لو' بس مجھے اس سے دوستی کرنی ہے۔" اس نے قطعی لہجے میں کہا۔

"معاف کیجیے گا۔ میں نے فی الحال ایسی کوئی ایجنسی نہیں کھول رکھی۔" وہ کہتے ہوئے اٹھی۔ عمر سومرو نے فورا" اس کا ہاتھ پکڑا۔ ماروی تک پہنچنے کا ایک یہی وسیلہ تو تھا۔

"میں تمہیں فیس دینے کو تیار ہوں۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے' سومرو صاحب۔ میں ضرورت مند نہیں۔" اس نے جھٹکا دے کر ہاتھ چھڑا لیا۔

"مجھے پتا ہے' تمہارے والد انٹرنیشنل این جی او میں بہت بڑے عہدے پر فائز ہیں۔ تم لوگ روپوں میں نہیں ڈالروں میں کھیلتے ہو۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا۔" شمع جزبز ہوئی۔

"ضرورت صرف پیسوں کی نہیں' انسان کی بنیادی ضرورت میں محبت کا رول بہت اہم ہے۔ آپ میرا کام کردیں' میں آپ کا کردوں گا۔" شمع خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔

"وہ آپ کی دوست ہے اور عبداللہ میرا دوست' ہم دونوں ڈیل کرلیتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مدد کی۔" عمر سومرو نے اس کی خاموشی کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اور کامیابی سے جال پھینکا۔

شمع نے جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

"ضرور سوچنا اس بات پر۔" وہ اس کے پیچھے آیا۔

"میں منتظر رہوں گا۔" وہ گاڑی تک آیا۔

شمع نے لمبی سانس لی اور گاڑی اسٹارٹ کردی۔ وہ اسے جاتا دیکھ کر مسکرایا۔ اس کی خاموشی ہمت افزا تھی اور امید دلاتی تھی کہ وہ اس کے پھینکے گئے جال میں ضرور پھنسے گی۔ عبداللہ کتابی کیڑا تھا اور شروع دن سے شمع کی اس کی جانب دلچسپی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔

عبداللہ اس کا یار تھا' وہ اس سے بھی کوئی نہ کوئی ڈیل کرہی لیتا' اس کی چار بہنیں تھیں۔ ان کی شادیاں کرا دیتا اور عبداللہ سے شمع کی شادی' اس کا پلان اس کامیاب سیاست دان کی طرح ناکام نہیں ہوسکتا تھا۔ جو سب کو ساتھ لے کر چلنے کی بات کرتا تھا۔ وہ بھی ایک کامیاب سیاست دان وڈیرے کا بیٹا ہی تو تھا۔



"سلام چاچا!" کھیت جھونپڑے میں داخل ہوا۔

"بابا وعلیکم سلام۔" دیہاتی تلفظ میں پاندھی نے جواب دیا۔

"چاچا! آپ سے پوچھنے آیا ہوں۔ کوئی کام ہو' کچھ لینا ہو تو بتادیں۔ میں ننگرپار کر شہر جارہا ہوں۔"

"اڑے بابا! سارے کام پیسوں سے ہوتے ہیں۔ ہم مسکین مارو' غریبی پر صابر' روکی سوکھی پر گزر کرنے والے۔ ہمارا کیا کام شہر سے' اس کے سودے سے۔ بس اللہ سائیں کا شکر ہے' مالک نے ہمارا رزق اسی تھر کی ریت میں سے پیدا کیا ہے۔" پاندھی نے لمبی تمہید باندھی۔

"توں ماٹھ تہ کر' بات کرتا ہے تو چپ ہی نہیں ہوتا۔" بھاگی ہنستے ہوئے چند دھاگے ہاتھ میں پکڑ کر آئی۔

"بھلے بات کر' کس نے روکا ہے تجھے۔" پاندھی

خوش دلی سے ہنس دیا۔

"ابا! کھیت یہ نمونے کے دھاگے اور شیشے پکڑ' ایسے لے آؤ اور یہ ان کے پیسے۔" اس نے کھیت کو پکڑاتے کہا۔

"بس ابا! جب تک ماروی کی چھٹیاں ہوں تب تک کچھ گج مکمل کر دوں' شہر میں جا کر بیچے گی تو اچھے پیسے ملیں گے' میری بچڑی پتا نہیں کیسے گزارا کرتی ہو گی۔ پیسے اس کے پاس ہوں گے بھی کہ نہیں۔" بھاگی کے لہجے میں تاسف در آیا۔

"ان شاء اللہ' مالک سائیں اس کے دن بدلے گا۔" پاندھی نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

"آمین۔" ان دونوں کی زبان سے بیک وقت نکلا۔

وہ باہر نکلا' صحن میں ٹہلتے ہوئے مور نے اس کو دیکھ کر آواز نکالی۔

"ماروی کی یاد لگی ہے۔" اس نے مور کو پکارا۔ مور اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ کھیت نے سیل فون نکالا۔

"ہیلو ماروی۔"

"ہاں بولو کھیت' جلدی میں ہوں' پریڈ نکل جائے گا۔" اس نے پھولی سانس سے کہا۔

"بس دو لفظ اپنے مور سے بول دو۔" کھیت نے اسپیکر کھولا۔

"اوہ میرے مور' کیسے ہو تم اداس نہیں ہونا میں جلد آؤں گی۔" مور نے اس کی آواز سن کر خوشی سے آواز نکالی۔ ماروی کی کھلکھلاتی ہنسی ابھری۔

"یہ کس مور سے بات کر رہی ہو' دو ہاتھوں والا یا دو پروں والا۔" شمع کی کھنکتی آواز اسپیکر سے ابھری۔

"چپ کر بدتمیز۔" ماروی کی بھنچی سی آواز پر کھیت دل کھول کر ہنسا تھا۔ ماروی نے کال کاٹ دی۔

"ابا! ماروی تھی؟"

"ہاں چاچی! جلدی میں تھی۔ رات کو آ کر آپ سے بات کرواؤں گا۔"

اس کی سکھی سہیلیاں اب میری نسبت سے اسے چھیڑتی ہیں۔ اس احساس نے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے پھول کھلا دیے۔

☆ ☆ ☆

کھیت اسے لینے آیا تھا۔

"کھیت میں اب وہ ماروی نہیں' میرے اندر ان چھ مہینوں میں کافی خود اعتمادی اور بہادری آ گئی ہے۔" وہ ہنسی۔

"مجھے پتا ہے ماروی! تو صدیوں سے بہادر ہے۔ یہ کوئی آج کی بات تھوڑی ہے۔" کھیت کا لہجہ گمبھیر ہوا۔

"پتا ہے کھیت' جب تم مجھے اس ماروی سے ملاتے ہو نا' تو مجھے ڈر لگتا ہے۔ اس ماروی کے اوپر بہت بڑا امتحان آ گیا تھا۔ اللہ ہر بیٹی کو ایسی آزمائش سے محفوظ رکھے' آمین۔"

"ماروی تو ماروی بنتی ہی تب ہے۔ اگر اس کی کوئی لج کا امتحان نہ لیا جاتا وہ اس آزمائش پر پوری نہ اترتی تو وہ تھر کی لاکھوں عورتوں کی طرح بے نام ہی رہتی۔ اسے نام والا بنایا ہی اس واقعے نے تھا۔" وہ ہنس دیا۔

"تم نہیں سمجھ سکتے کھیت' کسی لڑکی کے لیے اس کا اغوا ہونا موت ہے۔ چاہے وہ باعصمت واپس لوٹے مگر دنیا اسے بے عزت کر کے رکھ دیتی ہے۔ یہ آج کی حقیقت ہے۔ مگر جو تم کہہ رہے ہو' وہ بھی درست ہے مگر ماروی کا حال ماروی کو بے حال کر دیتا ہے۔ اس کا کوئی مستقبل نہیں رہتا جب تک وہ ماضی نہ بن جائے پھر اس کا قصہ داستان کو دہراتے ہیں اور خراج تحسین کے ڈونگرے برساتے ہیں۔ مگر درحقیقت ماروی اپنی زندگی میں اس ناموس' عزت و پارسائی کا کوئی فیض نہیں پاتی۔" وہ مسکرائی۔

کھیت ہنس دیا۔

"یہ بھی ہے کہ ہر ناموری کوئی نہ کوئی قربانی ضرور مانگتی ہے۔" وہ بس سے باہر خلا میں گھورتے ہوئے بولی۔

"اور ہر محبت بھی۔" اس کی آواز دھیمی ہوئی' سرگوشی نما۔

"جیسے تھریوں سے تھر کی محبت بھوک جیسی قربانی

مانگتی ہے۔ اور تھری وہ قربانی دیتے' بھوکے رہتے ہیں' مگر تھر نہیں چھوڑتے۔ تھر کی محبت' وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔ وہ اس ایمان پر ایمان رکھتے ہیں۔" اس نے بہت گہری آہ نما سانس سندھ کے نہری علاقے کی فضاؤں کے سپرد کی اور چپ ہو گئی۔

"چپ کیوں ہو گئی ہو' بولو ماروی' بولو۔ جب تم بولتی ہو' تو مجھے لگتا ہے۔ میں بھٹائی کی وائی سن رہا ہوں۔ جیسے مائی بھاگی کھڑی نیم کے نیچے گا رہی ہو' یا صادق فقیر کی آواز شیخ ایاز کے کلام سے کانوں میں رس گھول رہی ہو۔ جب تم معاشرتی علوم پر بات کرتی ہو' تو مجھے لگتا ہے میں امر جلیل کو سن رہا ہوں۔ تمہاری باتیں میرے دل پر ایسے برستی ہیں جیسے تھر کی دھرتی پر بارش کی کن من برستی بوندیں۔ میرا دل سیراب ہو جاتا ہے' تھر کی ریت کی طرح جو ریت بارش کی میٹھی بوندوں کو چوس لیتی ہے اور میں تمہارا کھیت جس کا دل تمہاری ماٹھی مٹھڑی آواز ہے ـــــ بہار ہو جاتا ہے۔ جیسے ساون کی بارشیں ہوں۔ تمہاری باتیں.... تمہاری باتیں۔" کھیت نے آنکھیں بند کر کے اسے جواب دیا۔

یہ کھیت اس کا منگیتر' سنگی ساتھی اس سے وہ شرما گئی۔ بس کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی سندھ کی نہری علاقوں کی سبز ہریالی اپنے اختتام کو پہنچ کر تھر کی ریت میں بدل رہی تھی۔ تھر کے علاقے کا آغاز ہی دردناک ہوا تھا۔ وہاں مرے ہوئے مور اور مویشیوں کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔

"بولو ماروی' کھیت کی آواز نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچی۔ "تمہاری چپ مجھے اچھی نہیں لگتی تم چپ کرتی ہو' تو مجھے لگتا ہے جیسے تھر پہ قحط کا سناٹا چھا گیا ہو۔"

ماروی نے اس قحط سے نظریں ہٹا کر کھیت کو دیکھا۔ جو اس کی محبت سے آباد تھا۔ ان نظروں کے ٹاکرے سے محبت کا دریا بہتا تھا کھیت کا دل چاہا وہ اس کا ہاتھ پکڑ لے اور ہونٹوں سے لگا لے۔ مگر اس کی روایات اس کی خواہش پر بند باندھ دیتی تھیں۔ وہ چاہ کر پاندھی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"تمہاری خاموشی تھر کی تپتی ریت پر کڑکتی دھوپ کی چادر بن جاتی ہے۔"

"بس کرو کھیت۔" وہ جھینپتے ہوئے بولی۔

کھیت اس کے شرمانے پر دھیمے سے ہنسا۔ "ایسا لگتا ہے' جیسے ترایاں (ٹیلوں کے نیچے بنے چھوٹے حوض) پانی سے لبالب بھر گئی ہوں۔ تمہاری آواز کی بارش سے۔" ماروی کے ہونٹوں پر مسکان ٹھہر گئی۔ بس میں اور مسافروں سے بے خبر وہ اپنی باتیں کرتے گئے بس اسٹاپ پر رک گئی تھی۔ ان کے گاؤں میں ابھی لنک روڈ کا نام و نشان نہ تھا۔ چھپر ہوٹل کے قریب وہ اونٹ باندھ آیا تھا۔ ہوٹل کا مالک اس کا دوست تھا۔ وہ دوڑ کر آیا' چائے پانی کا پوچھا وہ وہاں بیٹھ گئے۔ تھکن اتارنے اور چائے پینے لگے۔

"بھاؤ! راستے میں پریشانی تو نہیں ہوئی۔"

"نہ بھاؤ' راستہ آسانی سے کٹا' بلکہ کچھ زیادہ ہی جلدی کٹ گیا۔" کھیت کا سرگوشی نما آخری جملہ صرف ماروی ہی سن سکی اور ہونٹوں پر اڈنے والی مسکراہٹ کو بمشکل روک پائی' اس نے نظریں خلاؤں میں گاڑ دیں' جہاں ریت اڑاتے ہوئے مٹیالے رنگ کی راجدھانی تھی۔

"ٹھا بھاؤ' روڈ تو اچھی بن گئی ہے' بس اب تھر میں لنک روڈ بھی بن جائیں تو باقی سفر آسان بن جائے' گوٹھوں دیہاتوں تک بھی۔" ہوٹل والا سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے بولا۔

"فکر نہ کر بھاؤ' یہ اپنی ماروی گئی ہے نا۔ شہر پڑھنے' پڑھ کر آئے گی تو کسی این جی او' میں اسے اچھی سی نوکری مل جائے گی پھر دیکھنا۔ میرے گاؤں کی تو قسمت ہی بدل جائے گی۔" کھیت فخر سے بولا۔

"ہاں بھاؤ! تمہاری تو واقعی قسمت اچھی ہے' جو بھاگوں بھری ماروی ملی ہے۔" ہوٹل والے نے ہنس کر چھیڑا۔

ماروی ذرا سی جز بز ہوئی اور اس نے فوراً رخ موڑ

لیا۔

"اس میں بھلا کوئی شک ہے۔" کھیت کی آواز میں خوشی رچ بس گئی۔

"اب ہم چلتے ہیں۔ رات پڑ جائے گی۔" اس نے ماروی کا بیگ اٹھا کر اونٹ کو بٹھا کر اسے بٹھایا۔

"اللہ واھی۔"

"اللہ واھی۔" ہوٹل والا زور زور سے ہاتھ ہلا کر بولا۔ اس کے ہوٹل پر کارونجھر سے گھومنے والے سیاحوں کی اک بس آ کر رکی تھی۔ وہ ان کی چائے بنانے میں لگ گیا۔



محبت کی مہار پکڑنے والا کھیت اپنے شانے پر مہار رکھ کر اونٹ کو دوڑائے جا رہا ہے اور اونٹ پر بیٹھی ماروی اس کے قدموں سے اڑتی ہوئی دھول میں دھندلے مناظر دیکھ رہی ہے۔ بھٹوں (ٹیلوں) کی بلندیاں اور ان کی اوٹ میں بنے ان لوگوں کے جھونپڑے اور اس کے جھونپڑے پر بیٹھا اس کا مور' صحن میں بندھی بھیڑ بکریاں اور ٹیلوں کے بیچ بنی ترائیاں ۔ لبالب بھر جاتیں اور لوگ اور مویشی اس کے پانی سے سیراب ہوتے' تھری چوڑے والی' بانہوں والی عورتیں' خوش گپیاں کرتیں۔ اپنے مویشیوں کو پانی پلاتیں اور اپنے گھر کے لیے پانی بھرتیں۔ وہ جھیلیں جن میں مٹی اڑتی رہتی وہ آباد ہو جاتیں۔

"تو میری عند ملھار ہے۔" محبت کی مہار پکڑنے والا پلٹ کر زور سے بولتا ہے۔ اس کی آواز پر ٹیلے سر اٹھا کر آتی ماروی کو دیکھتے ہیں۔ اور سورج پلٹ کر اپنی آنکھوں میں اس منظر کو قید کرتا ہے اور غروب ہونے کے لیے اپنی لال ٹمٹماتی بتی روشن کر لیتا ہے۔

"تو آئی ہے تو ایسا لگتا ہے' جیسے تھر کا قحط ختم ہو گیا ہو۔ یہ کھیت بھی تھر بن گیا تھا' تیری دید کا پیاسا۔"

وہ الٹے قدموں سے آگے بڑھتا چلتے ماروی کو اپنے بے تابی کی کتھا سنا رہا ہے۔

ماروی نے ہوا کے دامن پھیلانے پر اپنی چنری زور سے مٹھی میں پکڑی ہے۔ آنکھیں میچ کر اڑتی ریت سے خود کو بچاتی ہے۔ آنکھ کھولتی ہے تو منظر بدل جاتا ہے۔

کارونجھر سے آنے والے تلوروں کی اک قطار اور نیچے رائفل لیے عمر سومروان کے شکار میں منہمک۔

"رک جا کھیت۔" وہ چیخی ہے۔

کھیت کے قدم فوراً" تھمتے ہیں' اس کی آواز کی بیڑیوں پر۔ وہ اونٹ کے بیٹھنے کا انتظار نہیں کرتی' چھلانگ لگا کر' ریت پر کودتی ہے۔ گرتی ہے' اٹھتی ہے اور دوڑ پڑتی ہے۔

"ارباب عمر! مت کر یہ ظلم۔" اس کی دھاڑ پر عمر سومرو کا نشانہ چوک جاتا ہے' تلوروں کی اڑان گولی کی آواز پر تیز ہو کر قطار تتر بتر ہو جاتی ہے۔

"ارباب عمر سومرو! آخر کب بنو گے اس دھرتی کے دوست' کیوں ختم کرنا چاہتے ہو تھر کا حسن' چند ٹکوں کے عوض۔ شکاری دوستوں کے ہمراہ اپنے چند لمحوں کی تسکین کی خاطر۔" ارباب عمر سومرو اسے دیکھ کر ہنسا۔

"تو وہی ماروی ہے نا جو یونی میں مجھ سے بات کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔" وہ طنزیہ انداز میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں میں وہی ماروی ہوں' جو تم جیسے وڈیروں کو منہ نہیں لگاتی کیوں کہ تم ظالم ہو' شکاری ہو' غدار وطن ہو۔" وہ غصے سے بولی۔

"او ہو اڑان تو تلور جیسی ہی تیز ہے' مگر آگے بھی ارباب عمر سومرو ہے' جس کا نشانہ کبھی نہیں چوکتا' ماروی!" وہ دل کھول کر ہنسا۔

"نفرت ہے مجھے تم جیسے شکاریوں سے۔" عمر سومرو کے لیے اس کے لہجے میں حقارت تھی۔ وہ اس کے لیے تلور بن گئی تھی۔

"اڑے بس کر چھوکری اتنا آگے نہ بڑھ۔" پھوگ اپنے سردار کی مدد کو آیا۔

"تو چپ کر بکاؤ مال۔" وہ اس پر دھاڑ کر پھر عمر سومرو

کی جانب بڑھی۔

"تم میرے گاؤں میں تلور کا شکار نہیں کر سکتے۔"

"یہ میرا علاقہ ہے۔" عمر سومرو کو تاؤ آیا۔

"یہ میرا گاؤں ہے۔ یہ میری دھرتی ہے' یہ میری زمین ہے' تو جا کر اپنے علاقے میں شکار کر۔ میرے گاؤں میں نہیں' آئی بات سمجھ میں۔" وہ شعلہ بن کر اس کو جلا رہی تھی۔ اس کی توانا آواز میں طاقت تھی۔ عمر سومرو زندگی میں پہلی بار کمزور ہوا۔ اس کی سٹی گم ہو گئی تھی۔

"سائیں بھوتار' چھوری کے منہ لگنا ٹھیک نہیں۔ چلیں آپ۔" پھوگ کے بازو سے پکڑ کر جیپ میں بٹھانے پر وہ فوری بیٹھ گیا تھا۔

کھیت یہ سارا منظر حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔ کتنی طاقت ور ہو گئی تھی ماروی۔ عجیب سی خوشی تھی جو سارے سراپے میں دوڑ گئی تھی۔

"ماروی۔" اس نے پکار پر کھیت کو دیکھا۔ جس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

"یہ عمر سومرو' جب ادھر ادھر سے دل بھر جاتا ہے' تبدیلی کے لیے یونیورسٹی میں دھکے کھانے آجاتا ہے' کسی نہ کسی لڑکی کے پیچھے وہاں میں اس سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتی۔" اس نے کھیت کی حیرت کو کم کیا۔

"علم بہت بڑی طاقت ہے' آج یقین آگیا۔ ماروی! جن لوگوں کے آگے ہم ہاتھ جوڑتے رہے ہیں صدیوں سے' آج ان کو للکار رہے ہیں۔ یہ پہچان ہمیں تعلیم نے دی ہے۔" کھیت نے جاتی جیپ سے اڑنے والی دھول کو دیکھتے ہوئے کہا اور یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے گاؤں میں پھیل گئی۔

صدیوں سے غلام لوگ انگشت بدنداں ہو کر' انگریز کے پٹھوؤں کو وفاداری کے صلے میں ملی جاگیروں سے مرعوب غلامانہ ذہنیت رکھنے والے' خوف زدہ ہو گئے۔

"پاندھی تمہاری بیٹی نے قہر کر دیا۔ وڈیرے کے بیٹے کو للکارا ہے۔ اب دیکھنا رات تک سارا گاؤں پولیس باندھ کر لے جائے گی۔"

"کیوں؟ ہم نے کوئی وڈیرے کی بھینس چوری کی ہے' جو پولیس باندھے گی۔" کھیت غصے سے کہتا۔

پاندھی بے چارا خاموشی سے سب کی سنتا اور دل ہی دل میں دعا مانگتا رہتا کہ اس واقعے کی وجہ سے' پولیس نہ آجائے۔ ورنہ پورے گاؤں میں بھونچال آجاتا اور اسے گاؤں سے نکال دیا جاتا۔

پورا گاؤں چند دنوں تک ہراساں رہا' ماروی کے واپس شہر جانے کے بعد سب لوگوں کی جان میں جان آئی کہ اب وڈیرا کچھ نہیں کرے گا۔

☼ ☼ ☼

اس کے اندر ہی اندر ایک طوفان اٹھا تھا ایک غریب چرواہے کی بیٹی کی یہ مجال کہ اس کے علاقے میں اس کو شکار سے منع کرے۔ اسے رہ رہ کر غصہ آتا' اور پھر وہ غصہ پیار میں تبدیل ہو جاتا۔

"کم بخت ہے بھی تو خوب صورت' آنکھیں ہیں کہ جھیلیں جس میں تیرنے کو دل بے تاب ہوا جا رہا ہے۔ ہرنی کی طرح چھال مارتی ہوئی اور شیر کی طرح دھاڑتی ہوئی۔ پھوگ اس وقت دل کر رہا تھا' ابھی اٹھا کر گاڑی میں ڈال لوں چھوری کو۔ بڑی اچھی لگتی ہے۔" اس وقت اسے اپنے ہی منہ سے چھوری کا لفظ اچھا نہیں لگا تھا۔ یہ بات اس کے اندر تبدیلی کی غماز تھی۔

"بھوتار سائیں! عام دن ہوتا تو خیر تھا۔ ابھی تو بڑے بھوتار سائیں کی الیکشن سر پر ہے۔ ایسا کرنے سے لوگ باغی ہو جاتے' ووٹ بینک پر اثر پڑتا۔"

"اسی لیے تو رک گیا' اسی لیے تو رک گیا۔" ہتھیلی پر مکا مارتے بولا۔ بے بس ہونا اس کی سرشت میں نہیں تھا۔ وہ اس مقام پر آکر کیوں بے بس ہو گیا ہے۔

"سائیں! گرم کھانے سے منہ جل جاتا ہے۔ ٹھنڈا کر کے کھائیں۔" پھوگ اس کی بے چینی بھانپ گیا۔

"صبر نہیں ہوتا۔ اب صبر نہیں ہوتا۔" وہ ٹہلنے لگا۔

"دیکھو عبداللہ آگیا؟"

پھوگ "فورا" باہر نکلا اور الٹے پیروں واپس پلٹا۔
"سائیں' عبداللہ صاحب ڈرائنگ روم میں آپ کے منتظر ہیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا مشروب کا گلاس وہیں رکھا اور تیزی سے ڈرائنگ روم میں آیا۔
"عبداللہ! تم میرے دوست ہو اور مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"
"وزیر کے بیٹے کو' میری مدد کی کیا ضرورت آن پڑی ہے' یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔" عبداللہ کی حیرت دیدنی تھی۔
"تم شمع سے شادی کرلو۔"
عبداللہ اس کی بے تکی بات پر بے ساختہ ہنسا۔ "مگر کیوں؟"
عمر سومرو نے اس کے سوال کو نظرانداز کردیا۔
"میں ادھار کا قائل نہیں' فورا" قرض چکاتا ہوں۔ تمہیں پتا ہے' تم پڑھ کر نکلو گے' پھر بھی تمہیں نوکری نہیں ملے گی۔ میں تمہیں سترہ گریڈ کی پوسٹ دوں گا۔ تمہاری بہنوں کی شادی کے اخراجات برداشت کروں گا۔ میری ایک بات ماننے میں تمہارے ایک نہیں دس فائدے ہیں۔" وہ اپنے سارے پتے بڑی ہوشیاری سے پھینک رہا تھا۔
"میں مانتا ہوں' میں تمہارا دوست ہوں' مگر یہ اتنا کچھ تم ——— میری دوستی میں نہیں کررہے' پھر آخر کس لیے؟" عبداللہ الجھ گیا۔ عمر سومرو یک لخط چپ ہوا' تھوک نگل کر کھنکھار کر گلا صاف کیا۔
"تمہیں پتا تو ہے۔" وہ لڑکی۔
"ماروی!"
"ہاں' وہ میرے گلے کا کانٹا بن گئی ہے۔"
"صرف گلے کا کانٹا یا دل کا درد بھی۔" عبداللہ ہنسا۔
"پتا نہیں۔" وہ شیشے کے دروازے سے باہر دیکھ کر جھنجلا کر بولا۔
"میں نے شمع سے بات کی تھی' اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ شمع کی تم سے محبت ڈھکی چھپی بات نہیں۔ تم اگر اس سے شادی کی ہامی بھرلو گے تو اسے میری باتوں پر یقین آجائے گا۔ وہ ماروی کی اکلوتی بااعتماد دوست ہے' ہو سکتا ہے' شمع اسے میری طرف راغب کرنے پر آمادہ ہوجائے۔" عبداللہ سوچ میں پڑگیا۔



"قیدالماء"
یہ تو ماروی (روح) بھی مٹی کے پتلے میں مقید مگر اس پتلے کی تو شان ہی عجیب کہ یہ مسجود ملائک' گارے جیسی کھنکھناتی مٹی سے بننے والے پتلے کے اندر خیر ہی خیر تھا۔ جب تک شیطان نے حسد سے شر پھیلایا اس کے اندر پھر دو قوتیں کام کرنے لگیں خیرو شر کی۔
اور پھر' ماروی بے چاری اور پھوگ (شیطان) کے واہمے' وسوسے' ناامیدی' اور بھٹکانے کے جتن اور ان آلائشوں کے درمیان مجبور محض ماروی باربار خودی اور انا کو کھودینے کی فکر میں ماری ماری پھرتی۔
وہ کب سے بے کل تھی۔
"جز" کو چھوڑ کر "کل" میں فنا ہونے کو بے تاب
مگر وہ تو چھپ گیا۔ عہد لے کر' پھر اس گندگی بھری دنیا میں بھیج کر "اب مجھے ڈھونڈ۔ ندائے ملیر" عالم ارواح" کا عہد یاد کرتا۔
"کہاں ڈھونڈوں؟ کہاں ڈھونڈوں؟" ماروی سرگرداں' حیران و پریشان' آلائشوں کے درمیان لرزتی جاتی۔
"اپنے اندر ڈھونڈ۔" لطیف الاپتا۔
"اپنی پہچان رکھ۔ خود کو پہچان جا۔" سچل سرمست پر عشق حقیقی کی مستی چڑھتی۔
"جان لے' اپنی روحانی طاقتوں کو۔ پھر دیکھ "اس ایک" کی معرفت مل جائے گی۔
صوفی ستار بجتا۔ عشق کا ساز بلند ہوجاتا۔ ماروی جسم کی چنری اوڑھ کرناچتی' بیابانوں میں ریگستانوں۔ کبھی عمر (نفس) کی پرستش سے بچا کر اپنی عصمت کی لوئی کی حفاظت کرتی اور کبھی پھوگ (شیطان) کے شر سے فرار ہوتی۔

ماروی کہاں آکر پھنس گئی۔

قید الما (تقدیر دانے پانی کی قید میں) جو ہونا تھا اس ہونی کو لکھ کر قلم سوکھ گیا۔ اور اب بیچاری ماروی اس ہونی کے ہونے کا خوف دل میں پالتی اور پھوگ اس خوف کی بیل کو پانی دیتا۔

ماروی اندھا دھند اس قلم کی سیاہی کے راستے پر بھاگتی جاتی، عمرکوٹ کی بھول بھلیوں میں اس "یکتا" کو بھول بھول جاتی جو راستہ پکڑنا تھا وہ نہ ملتا۔

راستے کا ہی تو روگ تھا سائیں، ورنہ کون نہ مرجاتا اس زندگی میں راضی بہ رضا۔

راستہ ہی تو نہ ملتا۔ راستے ہی کی تو پہچان نہیں گم کر

راہ کا پتا بھلا بیٹھی ادھر ادھر گم ہوتی رہی۔ ذات کو فنا کرتی، خودی کو مارتی انا کو دفناتی رہی۔ پتا ہی نہ چلا ماروی کو۔ یہ واہمہ ہے، یقین نہ تھا۔ رستہ ہے منزل نہ تھی۔ سرائے زندگی میں کیا کیا نہ صدمات تھے۔

بس لگتا جان گئی سو گئی۔

مگر نہیں گئی، نہیں گئی۔

ماروی کے قلب میں گونج ہوئی بس جان ہی تو جانی ہے۔ اک بار ہی تو جانی ہے تو کیوں نہ قربان کر، اس ایک اللہ، ایک اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

راستہ تو ہی سجھائی دیتا۔ اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ کر چلنے کا، اس کو پانے کا تو بس ایک رستہ تھا ڈھونڈا آئی۔

"میں ان کی شہ رگ سے قریب ہوں۔"

☆ ☆ ☆

شمع کے سیل فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو، میں عبداللہ بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ عبداللہ تم۔" اس کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہوئی۔

"میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

مگر ابھی تو میں کراچی ہوں۔ آپ کو پتا ہے، میرا گھر وہیں ہے۔ جیسے ہی چھٹیاں ختم ہوتی ہیں میں آتی ہوں تو مل لیتے ہیں۔"

"کراچی کی درسگاہوں کو چھوڑ کر، سندھ یونیورسٹی میں پڑھنا کیا وجہ ہے؟"

"میرا ڈومیسائل کراچی کا نہیں اس لیے۔"

"اوہ تو یعنی آپ بھی لسانی پابندی کا شکار ہوئیں۔"

"جی" "بالکل۔"

شمع اصل میں بات یہ ہے کہ میں اپنی امی کو آپ کے گھر رشتے کے لیے بھیجنا چاہتا ہوں، آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔"

شمع کو لگا اس کا دل ابھی سینے سے باہر کود جائے گا۔ وہ اس اچانک ملنے والی خوشی سے بے حال ہوئی جاتی تھی۔

"نہ... نہ، نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔"

"اور آپ کے گھر والوں کو؟"

عبداللہ! آپ کو پتا ہے، ہم آزاد خیال لوگ ہیں۔ ہمارے والدین کو ہمارے فیصلوں پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔"

"پھر کب بھیجوں؟" وہ اس کام میں کوئی تاخیر نہیں چاہتا تھا۔"

"جب آپ کی مرضی۔"

"ٹھیک ہے میں کل ہی امی کو بھیجتا ہوں۔" اس نے کہتے ہوئے فون بند کیا اور اپائنٹمنٹ لیٹر کو نئے سرے سے پڑھنے لگا۔ عمر سومرو ہنس دیا۔

"اس سیٹ پر بٹھایا ہے تمہیں، جہاں مال ہی مال ہے۔ فنانس ڈپارٹمنٹ میں آڈٹ آفیسر۔ مال بٹورنے والوں سے اپنا حصہ لو اور پرکھوں کی غربت سے جان چھڑاؤ۔" وہ تھا مستقبل کا سیاست دان سارے سیاسی گر جانتا تھا۔

"میرا کام ضرور یاد رکھنا۔"

"میں تمہاری محبت تمہیں دلانے میں ہر ممکن کوشش کروں گا۔" عبداللہ نے اس سے ہاتھ ملا کر عہد کیا اور اس کے ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔

"ماروی! تم مجھ سے بچ نہیں سکو گی۔ تمہاری دوری، میری مجبوری کبھی نہیں بن سکے گی۔ میں تمہیں ہر

قیمت پر حاصل کروں گا۔ پاندھی چروا ہے کی بیٹی! تم کیسے بھاگ سکتی ہو مجھ سے۔ ارباب عمر سومرو کو اتنا مجبور سمجھ لیا ہے کیا۔" وہ اضطراب سے ٹہلنے لگا۔

"سائیں! وہ شیرنی آخر کو ہرنی بن کر ہمارے سائیں کے دام میں پھنسے گی۔"

پھوگ نے ہمیشہ کی طرح اس کی ہمت بندھائی۔ اس کے دل کو ڈھارس ملی۔ اس نے شمع کا نمبر ملایا۔

"جی عمر صاحب۔!"

"میں نے اپنا وعدہ پورا کردیا۔ اب آپ اپنا وعدہ وفا کریں۔"

"میری کوشش آپ کے ساتھ اور آپ کے حق میں ہوگی، مجھے جو خوشی آپ کے توسط سے ملی ہے، میں چاہوں گی وہ آپ کو بھی ملے۔" وہ خوشی سے شاد لہجے میں بولی۔

"مجھے آپ پر یقین ہے۔"

"میں کبھی بھی آپ کو دھوکا نہیں دوں گی۔ عمر سومرو صاحب، نہ ہی آپ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاؤں گی۔" اس نے فون بند کردیا۔



پھوگ اس کا کمدار اس کا بانہہ بیلی، اس کا نوکر، محرم راز اور ہر جرم میں شریک ساتھی تھا۔

بچپن سے لے کر جوانی تک اس کے ساتھ رہتا آیا تھا۔ پھوگ کا باپ اس کے باپ حاکم سومرو کا کمدار تھا اور پھوگ اپنے باپ کا جانشیں، وہ دونوں اپنے باپوں کے جانشیں، اکٹھے پلے بڑھے، مالک و نوکر کے حیثیت میں۔

مگر آگے چل کر پھوگ اس کی ذات کا لازمی جز بن گیا اس پر جان نچھاور اور ہر جائز ناجائز خواہش پر سر دھڑ کی بازی لگانا پھوگ کی زندگی کا مقصد ٹھہرا۔

پھوگ یہ کیسے قبول کرتا کہ ماروی اس کے سائیں عمر سومرو کو انکار کردے۔ ٹھکرا دے، نظر انداز کر دے۔ سو وہ جال پر جال بننے لگا، داؤ پر داؤ کھیلنے لگا۔ ہر طرز کے جال اس نے ماروی کے گرد پھیلا دیے۔

اس دن گاؤں میں پولیس بھیجنے کا شوشہ چھوڑ کر اس نے گاؤں والوں کو ہراساں کیا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ الیکشن سر پر ہے، وہ ایسا بھول کر بھی نہیں کر سکتا تھا۔

مگر وہاں اک کٹنی اس نے چھوڑ رکھی تھی۔ جو ماروی اور اس کے رشتے داروں کو پھوگ کی حکمت عملی کے تحت پریشان اور دباؤ میں لے۔ گاؤں والوں کی معرفت۔ پھوگ اس دنیا میں شیطان کا روپ تھا اور ہر طرح کے شیطانی ہتھکنڈوں اور ہتھیاروں سے لیس۔



ہاسٹل کے کمرے میں آتے ہی شمع اس سے لپٹ گئی۔

"اوہو! اتنا پیار کاہے کو۔" ماروی مزاحیہ انداز میں بولی۔

"یہ دیکھو۔" شمع نے اپنی انگلی اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔

ماروی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر غور سے دیکھا۔ "کوئی خاص بات ہے اس میں؟"

شمع نے ماروی کے استفسار پر لب بھینچ کر اثبات میں سر ہلایا۔ "یہ منگنی کی انگوٹھی ہے۔"

"اچھا کس سے کب ہوئی۔"

"عبداللہ سے، دو دن پہلے۔" شمع کے چہرے پر محبت ملنے کی خوشی نمایاں تھی۔

"بدتمیز! مجھے اب بتا رہی ہو۔" ماروی بگڑی۔

"سوچا، فون پر انگیجمنٹ رنگ دکھانے سے تو رہی۔ اس لیے دکھا کر، سامنے بٹھا کر بتاؤں گی۔" شمع ہنسی۔

"اچھا مبارک ہو۔ شکر تمہیں اپنی محبت ملی، مگر کیسے فتح کیا اسے آنا" فانا"۔" ماروی اسے گلے لگا کر بولی۔ اس کی آخری بات پر شمع نے نادانستگی سے لب کاٹا۔

"محبت میں بڑی طاقت ہے، ماروی! فتح کر کے فتح پا جاتی ہے۔" وہ ہنسی۔

"دیکھنا، ایک دن عمر سومرو کی محبت بھی تمہیں فتح کر

لے گی۔" اس نے ملے ہوئے ٹاسک کا آغاز کیا۔
"بکواس بند کر۔" ماروی ناراض ہوئی۔
"یار بات کرنے میں کیا حرج ہے۔"
"مجھے مذاق میں بھی یہ بات گوارا نہیں۔" اس کی ناراضی ہنوز برقرار تھی۔
"ایک بار سوچ کر تو دیکھو۔ آخر اتنا بڑا وڈیرہ' وزیر کا بیٹا' مستقبل کا وزیر' تمہاری محبت کا اسیر ہوا ہے۔" شمع نے پریکٹس کی ہوئی ساری باتیں دہرادیں۔
"ان وڈیروں اور وزیروں کی محبت بھی الیکشن میں ووٹر سے کیے ہوئے وعدوں کی طرح ہی ہوتی ہے' جو کامیابی کے بعد ڈسٹ بن کی نذر ہو جاتے ہیں۔ سمجھیں تم۔" ماروی کا انداز ناصحانہ تھا۔
"ماروی! ایسی بات نہیں ہے یار۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ سارے وڈیرے ایک جیسے تھوڑی ہوں گے۔"
"جس بات کا تمہیں خود یقین نہیں' اس کا یقین مجھے دلانے کی کوشش کیوں کر رہی ہو۔"
"اف توبہ' باتوں میں تم سے کوئی نہیں جیت سکتا۔" شمع ہنسی۔
"اور تمہیں شرم آنی چاہیے۔ تم میری دوست ہو' عمر سومرو کی نہیں۔ تمہیں میری محبت کا احساس ہونا چاہیے۔ عمر سومرو کی انا پرست نام نہاد' خالی خولی محبت کا نہیں۔ تم اچھی طرح جانتی ہو' میں بچپن سے کھیت سے منسوب ہوں اور ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کے ان مول دھاگے سے بندھے ہوئے ہیں۔"
ماروی نے اپنی کلائی میں بندھے دھاگے کو انگلی سے کلائی کے چوگرد پھرایا۔
شمع کے بات کرنے کے سارے راستے بند ہوئے۔ اس نے باقی کوشش بعد میں کرنے کا سوچا۔
"نام نہاد انا پرست' خالی خولی محبت' واہ ماروی کیا اصطلاحات ایجاد کی ہیں یار' تمہارا ابھی جواب نہیں۔" وہ اپنی خفت مٹانے کو ہنسنے لگی۔
اس کی ہنسی کا ساتھ ماروی کی جان دار خوب صورت مسکراہٹ نے دیا۔ اس کے گال میں پڑنے والا ڈمپل بہت خوب صورت لگتا جو کہ مسکراہٹ پر کم اور ہنسنے پر اور زیادہ نمایاں ہو جاتا تھا۔
اور عمر سومرو اس ڈمپل پہ اپنا دل ہار گیا تھا۔ اس دل ہارنے سے پہلے وہ صرف اس سے دوستی کا خواہش مند تھا۔ اور پیسوں کے عوض خریدنے کا متمنی مگر اس کی بلند کرداری نے یہ باتیں ناممکن بنادیں۔
وہ ماروی کو رکھیل بنانے کے ارادے سے بھی باز آ گیا۔ یہ تھا تو اس کی شان کے خلاف کہ اک شاہی وڈیرا ایک چرواہے باندھی کی بیٹی سے شادی کرلے' مگر اس نے یہ گنجائش بھی نکالی اور اسے دوسرے درجے کی بیوی بنانے کی حیثیت پر خود کو راضی کیا۔ کیوں کہ نہ تو اس کی وڈیرانہ انا کی تسکین ہو رہی تھی اور نہ ہی آتش محبت ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ وہ دو آتشہ احساس میں گھر گیا۔ پھوگ اپنے تئیں ماروی کا رشتہ لینے گیا تھا۔ نہری آباد زمین کا لالچ اور پیسے' آسائشات کی طمع سب کچھ ہی تو ٹھکرا دیا باندھی نے۔
"ابا! ہماری نیانی بچپن سے منسوب ہے۔ ہم اپنی زبان کو جھوٹا کر کے اس نسبت کو دولت پر قربان نہیں کریں گے۔ تم عمر سومرو سائیں سے معذرت کرلو اور عمر سومرو سائیں ہمارے علاقے کا چنگا مڑس (بڑا آدمی) ہے' وہ ضرور ان روایتوں سے آگاہ ہوگا۔ برا نہیں مانے گا اور اپنے دل کو بھی سمجھائے گا۔ باندھی کے اس جواب پر پھوگ نے شکر ادا کیا کہ عمر سومرو رشتہ مانگنے خود نہیں آیا۔
"چاچا! چنگا مڑس سمجھتے تو انکار نہ کرتے۔ تمہارے گھر تو لکشمی چل کر آئی ہے' خود ہی اپنے بھاگ کو لات مار رہے ہو۔" پھوگ اپنے غصے کو دباتے بولا۔
"ابا! ہمارا کیا بھاگ کیا بھاگ؟ ہم مسکین لوگ روز جنگلی سبزیاں' میوے چن کر لاتے ہیں اور ہانڈی چڑھاتے ہیں۔ ہم نے تو کب کی طمع کو طلاق دے دی۔ دنیا دو دم' آج ہے کل نہیں' دنیاوی دولت پر اپنا ایمان نہیں بیچیں گے۔ بابا ہمیں معافی دو' خدا کارن باندھی نے اپنے دونوں ہاتھ پھوگ کے آگے باندھے کہا پھوگ جز بز ہونے لگا۔

"چاچا! اب بھی وقت گیا نہیں، تم تسلی سے پھر اس رشتے پر سوچنا۔"

"ابا میرا جو جواب آج ہے۔ وہ ہی کل بھی ہوگا۔ ہم مسکین ماروی ہیں۔ وڈیروں کی جوتی میں پیر نہیں ڈال سکتے ہماری جان بخشی کرو کہو تو میں پٹکا پگڑی اتار کر تمہارے پیروں میں ڈالوں۔" پاندھی اس کی تکرار سے عاجز آ گیا۔

"نہیں نہیں چاچا! تو بڑا ہے تیری پگڑی کی۔ عزت کرتا ہوں۔" پھوگ نے آنے والے طیش کو حکمت عملی سے روکتے کہا۔

وہ اب بھی بات بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔

"پکی بیری پہ ہر کوئی ڈیلے مارتا ہے۔ جس گھر لڑکی ہو وہاں رشتے تو آتے رہتے ہیں۔ تمہاری اپنی چیز ہے ہاں تو ہاں نہیں تو نہیں تمہاری اپنی مرضی ہے۔" وہ اٹھتے ہوئے اس کو ٹھنڈا کرنے کی خاطر بولا۔



"اس کی ہمت تو دیکھو سائیں! اس نے آپ کی رشتے داری سے انکار کیا۔ بدبخت کہیں کا۔" پھوگ کو رہ رہ کر پاندھی پر غصہ آ رہا تھا۔

"اس کی ہمت پر میں خود حیران و پریشان ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں۔" عمر سومرو الجھ گیا۔

"سائیں! اس نے آپ جیسے بادشاہ زادے پر اس ببول کے درخت کے نیچے چار بچوں کو پڑھانے والے کھیت کو ترجیح دی ہے 'کہاں دو ٹکے کا کھیت کہاں آپ'۔"

پھوگ اپنے ازلی کام میں مشغول تھا۔

"پاندھی نے میرے لیے انکار کیا ہے 'میرے لیے۔'" عمر سومرو اپنے سینے انگلی مارتے بولا "ہم اسے عزت دے رہے تھے۔ اپنا رشتے دار بنانا چاہ رہے تھے' مگر اس نے گھمنڈ کیا ہے 'اب اس کو یہ گھمنڈ بہت مہنگا پڑے گا۔" اس نے میز پر لات ماری۔

"ہاں سائیں بھگتے گا 'وہ بھگتے گا۔" پھوگ اثبات میں سر ہلا کر بولا۔

"ارے ہم کسی کو رکھیل بنا کے رکھیں تو بھی بڑی بات ہے۔ اس کے گھر والے ہماری جوتیاں چاٹتے ہیں۔ ہم ان کا مقدر بدل دیتے ہیں۔"

"ہاں سائیں یہی بات ہے یہی حقیقت ہے۔" پھوگ کو یاد آیا اس کی پھپھی بھی حاکم سومرو کی رکھیل بن کر مرچکی ہے اور ان کے پاس یہ دولت اور یہ کم داری اس کے مرہون منت ہے۔

"سائیں شکر ہے کہ بڑے بھوتار سائیں کو خبر نہیں۔ وہ پاندھی کو تو چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیتے مگر ہمیں بھی نہیں چھوڑتے مجھے تو الٹا لٹکا دیتے۔" پھوگ یہ سوچتے ہی کانپ اٹھا۔

"فکر نہ کر۔ بڑے سائیں کو پتا نہیں چلے گا۔" اس نے ڈھارس بندھائی۔

"میں اب دیکھتا ہوں شمع اور عبداللہ کتنا ساتھ دیتے ہیں۔" شمع کا یاد آتے ہی اس نے نمبر ملایا۔

"اور بتاؤ شمع بھابھی! میرا مشن کہاں تک پہنچا۔"

"عمر بھائی! اس کاٹھ کی الو میں پتھر کا دل ہے۔ پگھلتا ہی نہیں مگر میں بھی وقتاً "فوقتاً" آپ کے ذکر سے اسے چھیڑتی رہتی ہوں کہ شاید آپ کا نام اور محبت سنتے سنتے اس کے دل میں بھی نرم گوشہ پیدا ہو جائے۔ وہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ پتھر پر بھی اگر قطرہ ٹپکتا رہے 'تو بالآخر سوراخ بن جاتا ہے۔"

"اس سوراخ بننے تک ہمارا دل ہی نہ برباد ہو جائے۔" عمر سومرو جتاتے ہوئے ہنسا۔

"اللہ نہ کرے۔ آپ کی محبت سچی ہوگی تو بالآخر جیت ہی جائے گی۔" شمع نے آسرا دیا۔ اس نے شمع سے دوسرے دن کی منصوبہ بندی پر بات کر کے فون بند کر دیا۔

"اس کو اگر غرور ہے تو وہ خاک میں ملانا ہے۔ گھمنڈ توڑنا ہے۔ اسے روندنا کون سا مشکل کام تھا مگر اس کی وڈیرانہ انا کی تسکین اس میں تھی کہ وہ خود نیچ بن کر اس کی طرف مائل ہو۔ وہ اسے محب بن کر نہیں محبوب بن کر تسخیر کرنا چاہتا تھا اور یہی اس کی بھول تھی کہ اس کے آگے بھی ماروی تھی۔ وہ ماروی جسے لوئی لج بچانا آتی

تھی جسے اگر تسخیر کر سکتی تھی تو وہ سچی محبت تھی دنیا کی لالچ اور فریب نہیں نا ہی شاہانہ ٹھاٹھ باٹ۔

☆ ☆ ☆

وہ دونوں کلاس روم سے باہر نکلیں۔

"یار! بھوک لگی ہے۔ ذرا کینٹین تک چلو میرے ساتھ۔" ماروی، شمع کی بات پر ہنسی اسے تھریوں کا کم کھانا یاد آیا۔

"تم کھاتے پیتے لوگوں کی بھوک کبھی ختم نہیں ہوتی۔ جب دیکھو تمہیں بھوک ستاتی رہتی ہے۔"

"تم تو ماروی لوہے کی بنی ہو' یا کاٹھ کی میرے خیال میں پتھر کی بنی ہوئی ہو۔ تب ہی تو سنگ دل ہو ذرا رحم نہیں آتا عمر سومرو پر۔"

"ہر بات میں عمر سومرو کی مثال لانا کہاں کی دانش مندی ہے' یہی تو خرابی ہے تم مادیت پرستوں کی ذرا عمدہ دیکھا "دولت" دیکھی وہاں پر سٹنگ شروع۔" ماروی کے لہجے میں تاسف در آیا۔

"یار! ہم لوگ ایسے بھی گئے گزرے نہیں' ہم زندگی کی دوڑ میں کامیاب لوگ ہیں۔ محبت بھی کر ہی لیتے ہیں۔" شمع نے جان بوجھ کر عمر سومرو کے ذکر سے گریز کیا۔ تا ماروی اس پر شک نہ کر سکے۔

ماروی اس کے انداز پر ہنس پڑی۔

"ہاں محبت بھی کر ہی لیتے ہیں۔ ذرا محبوب کی بات بری لگی گالیاں شروع' ذرا سی بے توجہی پر محبت سے دست بردار۔ در در پر دل پھینکنے والے۔" اس نے اپنی دوسری روم میٹ کی مثال دی۔

"دیکھو ماروی! ایک بات تو تمہیں ماننے پڑے گی۔" وہ کینٹین کی طرف چلتے ہوئے پھولی ہوئی سانس سے بولی۔

"ہم ہیں ترقی یافتہ لوگ' بے کار چیزوں کو پیروں کی زنجیر نہیں بناتے اور آگے بڑھتے ہوئے خلاؤں کے سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں' دیہاتیوں کی طرح سست نہیں۔" شمع نے اپنی بات میں وزن پیدا کیا۔ ماروی نے ہنستے ہوئے اسے دیکھا اور اپنے مخصوص بے باک لہجے میں بولی۔

"ہاں سارے شرفا اور ان کے کل پرزے خلاؤں میں ہی رہتے ہیں۔ نہ زمین پر دیکھتے ہیں نہ ہی زمین کے مسکین ماروؤں ان کی نظر میں اپنے جیسے انسان ہیں۔ وہ تو کیڑے مکوڑے ہیں۔ ساری نعمتیں ساری آسائشات ان کے لیے ہیں۔ یہ گداگر شرفا جن کا کاسہ بیرون ملک امداد سے پُر ہو کر ان کے پیٹوں میں چلا جاتا ہے' پورے کا پورا ملک ہڑپ کرنے والے کیا جانیں کہ بھوک کیا ہوتی ہے' غربت و عسرت کیا ہوتی ہے۔"

"ایسی بات نہیں ماروی! ہم لوگ غریبوں کا بھی بہت خیال رکھتے ہیں' ہر ممکن مدد کرتے ہیں' بیرون ملک ایڈ کی بات شمع کے دل پر لگی تھی۔

"بھرے پیٹ والے کیا جانیں' بھوک کاٹنے والوں کا درد۔" ماروی کی آواز کینٹین کے شور میں گم ہوئی۔ "میڈیکل سائنس نے اتنی ترقی کر لی مگر تھر میں زچہ و بچہ کے لیے حکومت اور این جی اوز کے پاس کوئی پروگرام نہیں۔ نہ ڈرپس نہ انجکشن' نہ گولیاں نہ ہی سپلیمنٹ' جو زچہ و بچہ کی قوت مدافعت کو بڑھا سکے۔ اور شرح اموات پر قابو پایا جائے۔ مگر کیوں کریں گے وہ ایسا' ان کے ہاں تو صرف فوڈ پروگرام ہے۔ تاکہ گندم میں ریت بھر کے وہ اپنے پیٹ کے ایندھن کا انتظام کر سکیں' اربوں روپیہ فوڈ پروگرام کی نذر ہو جاتا ہے مگر تھریوں کی بھوک و غربت ویسی ہی رہتی ہے۔" شمع اس کی ہر بات پر سر ہلا کر تائید کر رہی تھی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو ماروی! یہاں اگر کرپشن نہ ہو تو یقیناً" ان اربوں روپے سے بہترین فوڈ پروگرام چل سکتا ہے۔ ویسے تمہاری یہ ماں اور بچہ کے سپلیمنٹ وغیرہ والی تجویز قابل غور ہے۔ میں ضرور پاپا سے ڈسکس کروں گی۔" وہ برگر کھاتے ہوئے بولی۔

"اس لیے شمع کہ یہاں گندم اگر مل بھی جائے تو وہ پورے گھرانے کی کفالت کرتی ہے۔ ماں اور بچے کو تو مکمل خوراک چاہیے۔ ان کے لیے یہ فوڈ پروگرام بے کار اور نامکمل ہے۔ ان کے لیے الگ سے پروگرام ہو

جو صرف ماں اور بچے کے لیے ہو۔"

"السلام علیکم۔" عمر سومرو کے سلام پر ماروی کو اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑی۔

"وعلیکم السلام' ارے عمر سومرو صاحب' آپ ٹھیک وقت پر پہنچے' اصل میں ہم آپ کے تھر کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ آپ لوگ تو بااختیار ہیں تھر میں ماں اور بچے کے لیے کوئی خاص اسپیشل فوڈ پروگرام کیوں نہیں بناتے' ماروی کے پاس اتنی بہترین تجاویز ہیں۔" شمع پرجوش ہو کر بولی۔

ماروی اس کی بات پر طنزیہ ہنسی۔

عمر سومرو الگ اس کے سلام کے جواب نہ دینے پر جز بز ہوا۔

"ضرور' ضرور اگر ماروی کے پاس اچھی تجاویز ہیں تو میں اپنے بابا سائیں کے سامنے رکھوں گا۔" عمر سومرو' ماروی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"شمع! تم بھی نا بھول سے بیر مانگ رہی ہو۔ جو کانٹے دیتا ہے وہ پھل نہیں دیتا۔" ماروی نے ایک لمحے کو بھی اس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

"ماروی! ببول اگر انسانوں کو بیر نہیں دیتا تو بکریوں کو رزق ضرور دیتا ہے۔" عمر سومرو دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھتے جھک کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے بولا۔

ماروی کو عمر سومرو کے اس عامیانہ انداز پر غصہ آیا۔

"آپ خواص نے عوام کو انسان سمجھا ہی کب ہے۔ بھیڑ بکریاں ہی تو سمجھا ہے۔" ماروی دوسری طرف دیکھتے بولی۔

"ہم آپ کو خواص میں جگہ دیں گے۔ خاص الخاص بنا دیں گے۔ آپ نگاہ تو ملایئے۔" عمر سومرو کی سرگوشی اس کے کانوں کے قریب ابھری۔ وہ اس کے اتنے قریب منہ لایا تھا کہ اس کے منہ سے اٹھنے والی بو سے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ ماروی کا پورا جسم جیسے جل اٹھا ہو۔

"مجھے نفرت ہے آپ جیسے لوگوں سے۔" اس کی آواز میں غصے اور نفرت کی لرزش نمایاں تھی۔

"جب رانی بنا کر رکھوں گا' دنیا کی ہر خوشی تمہارے قدموں میں ہو گی۔ تو یہ نفرت خود بخود محبت میں بدل جائے گی۔"

ماروی آپ سے تم پر آنے پر اور زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش سے۔ تپ اٹھی۔

"کتنی رانیاں ہوتی ہیں۔ تمہاری حویلیوں میں اور کتنی کنیزیں؟ میں اچھی طرح سے جانتی ہوں' یہ جھانسہ کسی اور کو دینا۔" وہ کہتے ہوئے غصے سے اٹھی' عمر سومرو نے اسے روکنے کو اس کا ہاتھ پکڑا۔

"رکو' ارے رکو۔" وہ مخمور لہجے میں بولا۔

کینٹین میں سارے لڑکے لڑکیاں ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

سرگوشیاں' سیٹیاں' اوہ' واؤ' دبی دبی ہنسی کی مختلف آوازوں نے اسے غیرت کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔

"ہاتھ چھوڑو' میرا خبیث انسان۔" وہ چیخی۔

"نہیں' نہیں' اتنے لوگوں کے سامنے پکڑا ہے تو چھوڑنے کے لیے تو نہیں۔" وہ اپنی وڈیرانہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

ماروی نے دوسرے ہاتھ سے اپنی چیزیں سنبھالے ہوئی تھی' اس نے ہاتھ کو آزاد کیا اور پوری طاقت سے اس کے منہ پر جڑ دیا' عمر سومرو نشے میں لڑکھڑا گیا۔ ماروی کا ہاتھ خود بخود اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

ماروی دونوں ہاتھوں سے اپنی چیزیں سنبھالتی ہوئی تیزی سے کینٹین سے باہر نکلی تھی۔

عمر سومرو' جس کو توقع کے خلاف تھپڑ پڑا تھا' وہ چند لمحے تک پورے مجمع کے ساتھ سکتے میں آ گیا تھا۔ اضطراری طور پر اپنا ایک ہاتھ گال پہ رکھتے چیخا۔

"نہیں چھوڑوں گا منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔ تم نے چٹان سے سر ٹکرایا ہے۔ پاش پاش ہو جاؤ گی۔" اس دھمکی نے دروازے تک ماروی کا پیچھا کیا تھا۔

سب لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ شمع اس رائٹر کی طرح پریشان بیٹھی تھی۔ جس کے نہ چاہتے ہوئے بھی ڈائریکٹر نے نازیبا سین ڈرامے میں ڈال دیا

ہو۔

عمر سومرو کا غصہ انتہا پر پہنچ رہا تھا وہ پچھتا رہا تھا کہ پھوگ کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لایا، ورنہ اس کا ڈراپ سین یہیں کر دیتا۔



عمر سومرو جس کی دھاک سندھ یونیورسٹی میں ہی نہیں، اس کے پڑوس میں لمز اور مہران یونیورسٹی پر بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ جو لڑکیوں کے درمیان راجہ اندر بنا رہتا اور دوستوں کو نوازنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس کے دوستوں کا حلقہ تینوں درس گاہوں میں پھیلا ہوا تھا۔ بہت سارے لوگ اس سے اپنا کام نکلوانے اور کنٹس بٹورنے کے لیے اس سے چپکے ہوئے تھے اور بہت سارے لوگ صرف دوسرے لوگوں پر اپنی دھاک بٹھانے کے لیے کہ عمر سومرو ان کا دوست ہے اس کے گروپ میں شامل رہتے تھے۔

شاید ہی کوئی لڑکی ہو، جس کی طرف اس نے نگاہ اٹھائی ہو اور وہ اس کے دام میں پھنسنے سے بچی ہو۔ یونیورسٹی میں اس کا آنا صرف پڑھائی یا ڈگری کے لیے نہیں تھا۔ یونیورسٹی کا چکر لگانا اس کے دل کا بہلاوا تھا۔

پہلی بار اسے کسی باکردار لڑکی سے پالا پڑا تھا اور وہ بھی غریب، ورنہ عمر سومرو غریب لڑکیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ وہ اس کے مرتبے سے میل نہیں کھاتی تھی اور علاقے کی لڑکی کوئی غریب مگر حسین ہوتی تو وہ کسی نہ کسی بہانے اس کے اوطاق میں پہنچا دی جاتی۔ اس ضدی، خود سر انا پرست، عمر سومرو کے ساتھ یہ کیسا حادثہ ہوا کہ وہ اک غریب اور اپنے ہی علاقے کی لڑکی کے سامنے اپنا آپ ہار گیا۔

وہ طوفان جو اس کے دل میں پل رہا تھا وہ آندھی بن گیا۔ وہ پورا دن کمرہ بند کر کے نشے میں بے سدھ پڑا رہا۔ رات گئے اس کا نشہ ٹوٹا اور کینٹین کا واقعہ اک بار پھر ذہن کی اسکرین پر چلنے لگا۔ اتنی ذلت، اتنی رسوائی، اتنی بے عزتی اس نے پوری زندگی میں نہیں دیکھی تھی۔

طلباء کی معنی خیز مسکراہٹیں جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھیں۔ اب کس منہ سے یونیورسٹی جاؤں گا۔

"بابا سائیں دل پر بات نہ لیں، کبھی کبھی ایسی سر پھری لڑکیاں نصیب میں لگ جاتی ہیں۔" پھوگ ڈھارس بندھاتا۔

"پھوگ۔" وہ روہانسا ہوتا۔

"حاضر سرکار۔" پھوگ مستعدی سے ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا۔

"جو خود چل کر آئے، وہ بے مول ہو جاتی ہے۔ جو بکتی نہیں اس کے مول بڑھ جاتے ہیں اور جو دونوں صورتوں میں نہ آئے وہ ان مول ہو جاتی ہے۔" وہ مسلسل پی رہا تھا۔ پھوگ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے خالی گلاس لیا۔

"بابا سائیں، دکھ نہ کر، آپ کا دکھی ہونا ہم سے دیکھا نہیں جاتا۔"

"پھوگ کچھ نہ پڑھا، کوئی تدبیر کر اس کو چکر میں لانے کی۔" اب کی بار عمر سومرو نے سگریٹ جلالی۔ اس کے دھوئیں میں وہ خود کو چھپا لینا چاہتا تھا۔ کیوں کہ اس کا دل دھواں بن گیا تھا۔

"وہ کوئی لڑکی ہمارے سرکار کے لیے ان مول نہیں ہو سکتی، یہ ماروی بھی بے مول ہو جائے گی۔ بس اس کے لیے مرزی کا جالا بنا پڑے گا اور لومڑی کی چال چلنی پڑے گی۔" پھوگ نے کہتے ہوئے اس کے پیر دبانے شروع کر دیے تھے۔

میں ماروی ہوں، مجھے اپنی عصمت بچانا آتی ہے۔ یہ دعوا اس کے گلے کی پھانس بن گیا۔ اس اکیسویں صدی میں اس نے صدیوں کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ اس کا کردار بھی کیا کردار تھا۔ جو صدیوں پہلے بنا صدیوں بعد بھٹائی نے گا کر امر کیا اور صدیوں سے گایا جا رہا ہے۔ وہی کردار نئے روپ میں موجود تھا۔ اور اس کردار کا امتحان بھی۔

ہاتھ تو کبھی اس کا کھیت نے بھی نہیں پکڑا تھا۔ منگنی کے بعد وہ حیا کے رشتے میں بندھ گئے چھونے کی اجازت نہ ان کا معاشرہ دیتا تھا نہ دین اور نا ہی حیا، حیا

کے تقاضے نبھانا حیادار جانتے ہیں۔ وہ لوگ بے حیا نہیں تھے۔ مارو لوگ اپنی زندگی میں خوش' وہ اپنے پورے علاقے کی پہلی لڑکی تھی جو پڑھ رہی تھی اور یونیورسٹی کی سطح تک پہنچی تھی' یہ سب چاچا ساجن باندھی اور کھیت کی مرہون منت تھا۔ وہ اس کے شوق کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے ورنہ اگر کھیت سے نسبت نہ ہوتی تو کب کی اس کی شادی ہوچکی ہوتی اور وہ بھی ہزاروں عورتوں کی طرح اجڑی گود لیے رو رہی ہوتی۔

اور اس کھیت کی محبت کی راہ میں بادشاہی آرہی تھی۔ محبت ہمیشہ جیت جاتی ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کھیت کی محبت پر وہ عمر سومرو کی بادشاہی کو فوقیت دے' اس کا کھیت تو کھیت تھا۔ سینکڑوں عمر سومرو اس کے کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔ وہ کھیت کی تھی مگر اس کی نگاہ میں' عمل میں ہمیشہ احترام جھلکتا تھا۔

یہاں آنے کے بعد یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس نے کھیت کی کال اٹینڈ نہ کی میسجز کا کوئی جواب نہ دیا۔

ماروی خود کو مجرم سمجھنے لگتی' اس کا ہاتھ جلنے لگتا۔ عمر سومرو کی بے حیائی' ڈھٹائی اور ہوس بھری نگاہیں اس کی برداشت سے باہر تھیں۔ یہ تضحیک تھی۔ کیچڑ تھی اس کی ذات پر اور وہاں موجود لوگوں کی نگاہیں مسکراہٹیں جواب رہ رہ کر اسے یاد آرہی تھیں۔ وہ تماشا نہ ہوتے بھی تماشا بنادی گئی اس وقت اسے سخت طیش آرہا تھا۔ تھپڑ کیا وہ اسے قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔ عمر سومرو نے اس کی عزت پر حملہ کیا تھا۔

تو ماروی تم پر بھی امتحان آہی گیا۔

اس نے چنری کے پلو سے آنسو پونچھے اور ایک ہمت سے کھڑی ہوگئی۔ ثابت قدم رہنے کے عزم کے ساتھ۔

تم کیا سمجھتے ہو عمر سومرو! میں تمہاری دولت' امارت پر فدا ہوجاؤں گی' ہرگز نہیں میری دولت میرے مارو (مسکین لوگ) ہیں میری امارت میری محبت ہے۔ میں اپنی وفا اور عزت پر کبھی بھی آنچ آنے نہیں دوں گی۔ میں ماروی ہوں' جو صدیوں سے اپنی حمیت غیرت اور عزت کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہ صدیوں کا سفر جو میں نے طے کیا ہے اور میں تھکی نہیں ہوں' ابھی تک باہمت ہوں۔ ہر باکردار لڑکی کے روپ میں جو اپنی عزت پر جان نثار کردیتی ہے۔ میں وہ ماروی ہوں۔" اس کا عزم آسمان کی بلندیوں تک پہنچا۔



ان دونوں کا بلاوا آگیا عمر سومرو کے ڈرائنگ روم میں وہ نئے سرے سے پلاننگ کرنے لگے۔ عبداللہ اور شمع سر پکڑے بیٹھے تھے۔ ساری کہانی الٹ ہوگئی۔ رائٹر کے ہاتھ سے نکل گئی اور اپنا آپ بننے لگی۔

منظر نامہ بدل چکا تھا۔ ڈائریکٹر نے سین غلط ڈال دیا۔ جو کردار ماروی کی نظر میں بلند کرکے دکھانا تھا۔ وہ گرا پڑا تھا۔ لوز کریکٹر عمر نے اپنی مرضی کا سین ڈال کر اسکرپٹ کمزور کردیا۔ وہ ہیرو سے ولن بن گیا۔ سارا کھیل بگڑ گیا۔

عبداللہ کی ساری پلاننگ کو عمر سومرو کی ہاتھ پکڑنے کی غلطی نگل گئی۔

"اسے کہو' وہ مجھ سے معافی مانگے' ان سب کے سامنے جن کے سامنے تھپڑ مارا تھا۔ اس کے بعد خاموشی سے میرا ساتھ دے' میں اس سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

وہ ٹہلتے ہوئے بولا۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی بہت مضطرب ہوتا تو تیزی سے ادھر ادھر چلتا' اور غصہ بڑھنے کے ساتھ اس کے چلنے میں تیزی آجاتی۔

"اگر وہ نہ مانے تو؟" عبداللہ بولا۔

"تو بھی کیا۔" عمر سومرو استہزائیہ ہنسا۔ "میں اسے قید کرلوں گا۔ کسی چڑیا کی ہمت کہ میرے سامنے پر مارے۔" اس نے زور سے مٹھی بھینچی "عمر سومرو کوئی خواہش کرے اور وہ پوری نہ ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ میں کبھی بھی اس سے دست بردار نہیں ہوسکتا۔ تم لوگ ڈیل کے تحت اسے راضی کرو۔ دوست بن کر سمجھاؤ۔ ڈراؤ' دھمکاؤ پھر بھی راضی نہیں ہوتی تو میرے پاس دوسرا آپشن موجود ہے۔"

عمر سومرو نے ایک بار میز پر مکا مارا۔ ایک بار لات ماری اور مٹھیاں بھینچ لیں۔ عبداللہ اور شمع کو احساس ہوا کہ انہوں نے ڈیل کر کے کس سرپھرے سے سر ٹکرایا ہے۔ جو انسان کو انسان نہیں سمجھتا' جس کے سامنے اپنی خواہش ہر طرح سے مقدم ہے۔ اور چاہے سندھ ہو جیسے یا سوکھے' ترسے یا برباد ہو' اسے کسی بات سے سروکار نہیں۔



"تم عمر سومرو سے نہیں ٹکرا سکتیں۔ نہیں لڑ سکتیں' وہ بہت طاقت ور ہے۔ ماروی! خدا کے لیے اس سے معافی مانگ لو۔ یہ دیکھو میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" شمع کتنی دیر سے اس کی منتیں کیے جارہی تھی۔

"ہرگز نہیں' کسی قیمت پر نہیں۔" وہ نفی میں سر کو جنبش دیتے بولی۔

"معافی مانگنی ہی ہے' تو عمر سومرو کو مجھ سے مانگنی پڑے گی۔ پہلے وہ مجھ سے ہاتھ پکڑنے کی معافی مانگے۔ میرا تھپڑ اس کے ہاتھ پکڑنے سے ہلکا ہے' اس کا ہاتھ پکڑنا بہت بھاری بوجھ ہے۔" ماروی کے لہجے میں نفرت نمایاں تھی۔

"ماروی! تم کیوں نہیں سمجھتیں' یہاں ہاتھ پکڑنا اک عام بات ہے۔ یار یہ اتنا بڑا ایشو نہیں۔" شمع جل جاتی۔

"تم لوگ شخصی آزادی کے اتنے قائل اور عورتوں کے حقوق کے داعی۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ یہ فرنیکلی ہراسمنٹ اور شخصی آزادی کی کھلی خلاف ورزی ہے' کسی عورت کا ہاتھ پکڑنا اس کی مرضی اور منشا کے خلاف۔"

"تم بے وقوف ہو' کھیت تمہیں کیا دے سکتا ہے' جب کہ عمر سومرو اتنا بڑا آدمی تم سے شادی کے لیے تیار ہے۔"

"کھیت مجھے وہ دے سکتا ہے۔ جو عمر سومرو نہیں دے سکتا۔ میں اس کی ضد ہوں' محبت نہیں۔ اس لیے وہ وڈیرانہ ہٹ دھرمی سے باز نہیں آرہا۔ کھیت مجھے احترام' محبت' وفا اور سب سے بڑھ کر سکون دے سکتا ہے۔ یہ ساری باتیں عمر سومرو میں ناپید ہیں۔"

"پاگل ہو تم یار! آج کل ایسی چیزوں کو کون پوچھتا ہے۔ عقل سے پیدل ہو بالکل' وہاں آسائشات کا جہان ہے۔ خوشیاں ہی خوشیاں جس طرف نگاہ اٹھاؤ خرید لو' رسائی ہی رسائی۔ نارسائی کبھی قریب نہیں آتی۔" شمع نے ہر ممکن اپنی بات میں وزن پیدا کیا۔

"اچھا' ایسی دولت سے وہ میرا دل تو خرید کر دکھا دے؟ شمع! خواہشات کی اندھی پٹی باندھ کر مت چلو' انسانیت کے لیے جیو' یہ سب خاک ہے' خاک میں مل جائے گا ایک دن اچانک ایک جھٹکے سے زندگی رک جائے گی اور آنکھیں بند' سب کچھ ختم۔ پھر اس کے سامنے پیشی ہوگی' جواب دہی ہوگی۔ انسان کیا جواب دے گا۔ دولت کے لیے دین بیچ دیا۔ خواہشات کے لیے ایمان بیچ دیا۔ اس کو بھلا دیا؟ دنیا کی رنگینی میں کھو کر ماروؤں (اپنے دیس کے لوگوں) کی محبت' والدین کی اطاعت سب کچھ قربان کر دیا۔" ماروی دلیل پر دلیل دے رہی تھی۔

"افوہ ماروی! تم بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو۔ جیتی جاگتی ہستی کو فوراً" خاک میں ملا دیتی ہو۔" شمع نے مارنے والے انداز میں سر پر ہاتھ رکھا۔

"یہی حقیقت ہے' باقی سب فسانہ۔ انسان بے وقوف ہے جو ساری عمر اس سے بھاگتا رہتا ہے۔" ماروی نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"موت کا رقص میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ آج کل تھر کے قحط زدہ بچے نگلنا موت کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔" ماروی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ "شمع تم کیا جانو! اجڑی گود' خالی جھولی کا درد' تم چاہو تو بھی محسوس نہیں کر سکتی' کے ایف سی' میکڈونلڈ' پزاہٹ پر ہر قسم کے طعام تناول کرنے والے' تھریوں کی بھوک محسوس نہیں کر سکتے کہ وہ کیسے جنگل کے پتے کھا کر گزارہ کرتے ہیں۔ کمزور پیدا ہونے والے بچے جب بھوک سے بلکتے ہیں تو ماں کی چھاتیوں میں دودھ

نہیں ہوتا۔ وہ بلکتے بلکتے مرجاتے ہیں۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ شمع خاموش ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا جواب دے، کیسے دلاسا دے۔

"میں نے دیکھا ہے سکھاں کا درد، جس کا بیٹا بھوک سے بلکتے مرا، میں نے وعدہ کیا ہے اس سے کہ جب تم دوسرا بچہ پیدا کرو گی میں اس وقت تھر کے لیے اک این جی او بنا کر ماں اور بچے کی خوراک کا پروگرام شروع کر دوں گی۔ تمہیں اور تمہارے ہونے والے بچے کو خوراک اور دوائیں ملتی رہیں گی۔ یہ میرا اس سے وعدہ ہے، عہد ہے، اور تم کہتی ہو، میں سب وعدے توڑ کر، سارے عہد چھوڑ کر اس ظالم وڈیرے سے شادی کر لوں۔" ماروی کے لہجے سے نفرت کی چنگاریاں اڑ رہی تھیں۔

"ماروی، وہ وڈیرہ ہے۔ وزیر کا بیٹا ہے۔ اس سے شادی کر کے تم بہتر پوزیشن میں آجاؤ گی اپنے ماروؤں کے لیے کام کرنے کا بہترین پلیٹ فارم مہیا ہو جائے گا بہت بڑے پیمانے پر کام کر سکو گی۔" شمع بات کو گھما پھرا کر پھر اسی پوزیشن میں لے آئی۔

"ان سے بھلائی کی توقع رکھنا عبث ہے۔" ماروی اٹھ کر کھڑکی میں آگئی۔ اس ذکر سے اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ ہوا کے تازہ جھونکے نے اسے آکسیجن پہنچائی۔ اس نے گہری سانس لی۔

"یہ وڈیرے، جو تھریوں کو امداد میں ملنے والی گندم بھی کھا جاتے ہیں۔ جو ہمارا خون پی کر پلے ہیں، جنہوں نے غریبوں کا ماس کھالیا ہے۔ اس سسٹم کا ایک فرد مجھے غریبوں کے لیے کام کرنے دے گا۔ یہ بھول ہے تمہاری، وہ میرے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر، داشتہ بنا کر رکھے گا، تم کیا جانو؟ تمہارا کون سا پالا پڑا ہے۔ ان ظالم انسانوں سے۔ مجھے نفرت ہے ان ظالموں سے جو طاقت اور اختیار رکھتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرتے۔ صرف ووٹ مانگنے آتے ہیں۔ وہ بھی ڈرا دھمکا کر لے جاتے ہیں۔ پھر پلٹ کر ایک بار بھی نہیں پوچھتے کہ مرے یا جیے ان کی بلا سے۔" ماروی کے انگ انگ سے نفرت پھوٹ کر نکلی۔ پہلی بار شمع کو احساس ہوا کہ وہ پتھر سے سر ٹکرا رہی ہے۔ برف پگھلتی ہی نہ تھی۔ وہ سخت مایوس ہو گئی۔

"سوری یار! تم میری باتوں سے دکھی ہوئیں، میں تو تمہارا بھلا چاہتی تھی۔ تب ہی اصرار کر رہی تھی۔" شمع نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی پشت تھپکی، اپنی صفائی دینے لگی۔ مبادا وہ اس پر شک نہ کرنے لگے۔

ماروی کے دل پر اس کے خلاف شک کی چھائی گرد فوراً" صاف ہو گئی۔

وہ ایسی ہی تھی۔ صاف دل، جو جیسا نظر آتا ہے، ویسا ہی سمجھنے کی عادی، ماروی جو تھی۔



ماروی کی ماں نے جب سے سنا کہ عمرو مرد نے اس کا رشتہ مانگا ہے تو خوف سانپ کی طرح کنڈلی مار کر اس کے دل میں بیٹھ گیا۔ وہ ساری ساری رات دھرتی کے داتا کو پکارتی ماروی کی حفاظت کی دعائیں مانگتی رہی، پاندھی کہتا۔

"ارے بھاگوں بھری کیوں ڈرتی ہے۔ اللہ پہ بھروسہ رکھ غریبوں کا اللہ وارث ہے۔ وہ میری دھی کو اپنی پناہ میں رکھے گا۔"

مگر وہ ماں تھی اس کا دل پتے کی طرح لرزتا رہتا۔ وہ کھیت کی منتیں کرتی۔

"ابا کھیت جا ماروی کو لے آ واپس، وہ اس کے ساتھ پڑھتا ہے۔ پتا نہیں کیا کرے گا۔"

"چاچی! خطرہ تو اسے یہاں ہے، وہاں نہیں۔ وہاں تو وہ ایک جگہ بیٹھی ہے۔ ہاسٹل کے اندر کوئی نہیں گھس سکتا۔ کوئی اس کا نام بھی نہیں لے سکتا۔ تو پریشان نہ ہو، اللہ پہ بھروسا رکھ اللہ چنگی کرے گا۔" وہ ڈھارس بندھاتا اس کے چولہے میں لکڑیاں ڈالتا جاتا۔

"ابا! میں خوف سے مر جاؤں گی۔ میرا دل سینے سے باہر نکل آتا ہے۔ جب ماروی کا سوچتی ہوں، جسم لرزنے لگتا ہے گھر کا کام نہیں ہوتا مجھ سے۔" بھاگی نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

پاندھی موڑھے پر بیٹھا، بیٹا کھیت کا شانہ تھپکتا "ابا یہ بھلی مانس سمجھتی نہیں وہم بیٹھ گیا اس کی روح میں۔ ماروی کی کھیت سے شادی ہو گی۔ سارا دیس دیکھے گا میری دھی کی دھوم دھام سے شادی ہو گی کیوں فکر کرتی ہے، انہوں نے رشتہ مانگا، ہم نے نہیں دیا۔ بات ختم خلاص۔" وہ ہاتھ چلاتے ہوئے بولا۔

"اس کا نام ماروی رکھ کر میں نے بڑی غلطی کی اللہ سائیں۔ ماروی کی لج رکھنا۔" اس نے خود کلامی کی۔

"دیکھ اس کے کام۔" پاندھی نے اس کی طرف ہاتھ کا اشارہ کر کے کھیت کو مخاطب کیا۔ کھیت ہنس دیا۔

بھاگی نے ناراضی سے پاندھی کو دیکھا۔

"ارے ارے چاچی! روٹی جل گئی۔"

"میں کیا کروں ابا! میرا بس نہیں چلتا۔" وہ لاچاری سے بولی۔

"ہر وقت روح ماروی میں اٹکی ہوئی ہے۔ کھانا پینا سب زہر ہو گیا کچھ اچھا نہیں لگتا، جی کو۔" اس نے پانچوں انگلیاں ملا کر سینے پر رکھیں۔



وہ پھوگ تھا جس نے ماروی کی محبت اس کے دل میں جگائی تھی۔

"سائیں! وہ پاندھی کی بیٹی صرف تیرے ہی لائق ہے۔ مور کی طرح حسین، تلوار کی طرح تیز، مورنی کی چال، رنگت ایسی کہ جیسے سورج کی شعاعوں پر ریت چمک اٹھے، ہنستی ہے تو گال لال پھول بن جاتے ہیں۔

"بل کھاتے بال واسینگوں (سانپ کی اک قسم) کی طرح ڈستے ہیں بات کرتی ہے تو جیسے مائی بھاگی گنگنا رہی ہو۔ لب ایسے بھیگے رہتے ہیں، جیسے کارونجھر سے نکلے شہد سے تر کیے ہوں۔"

"اور آنکھیں کیسی ہیں اس کی؟" عمر سومرو بے تاب ہوا۔

"سائیں! آنکھوں کی تو بات ہی نہ پوچھیں، پہلی نظر میں ہی شکار کر لیتی ہیں، گھائل کر دیتی ہیں۔" وہ بھی پھوگ تھا، کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا عمر سومرو کو اشتیاق دلانے میں۔

اس کے اندر انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہو رہی تھی۔ ساجن کا بیٹا کھیت اس سے بازی جیت گیا تھا۔ سمن سرکار کے میلے پر اس کے بیل دوڑ میں بازی لے گئے تھے۔ ٹرافی اور انعامی رقم اس کو ملی تھی اس انعامی رقم سے اس نے ماروی کی فیس دی اور دوسرے اخراجات اٹھائے تھے یہ دوسری بازی جو اس کی برداشت سے باہر تھی۔

ایک ماروی اس کی جیت، دوسری بیل دوڑ، مات پر مات نے اسے بوکھلا دیا تھا۔ پاگل کر دیا۔ وہ حاسد انسان تھا۔ غرور تکبر سے بھرا ہوا وڈیرے کا کمدار، جھوٹا کھانے والا۔

ہر طرح سے عمر سومرو کو اس کا شوق دلانا چاہتا تھا۔

اور برا ہوا کہ عمر سومرو یونیورسٹی میں پہلی نظر میں گھائل ہو گیا۔ اس وقت خود کو شکاری سمجھنے والا اپنے زعم میں شکار ہو گیا۔ جیسے ہی پتا چلا، وہ پاندھی کی بیٹی ہے، اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ وہ اس کی دسترس سے باہر نہیں۔

اور پھوگ جو جھوٹا کھانے والا تھا۔ اس کے وارے نیارے ہونے لگے۔ وہ بھی عمر سومرو کا دل بھرنے کے بعد اس کو مل جائے گی۔ اس کی رال ٹپک پڑتی اور وہ داؤ پر داؤ کھیلنے لگا۔ چال پر چال چلنے لگا۔ جال پر جال بچھانے لگا۔

"پھوگ۔" وہ غصے سے چیختا۔

"جی سرکار۔" پھوگ مستعد ہوتا۔ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا۔

"وہ کہتی ہے، میرا ہاتھ پکڑنا، بہت بھاری بوجھ ہے۔" وہ طنزیہ ہنستا۔ "میں اسے بوجھ سے لاد دوں گا۔ نہ سر اٹھانے کی ہمت ہو گی، نہ منہ دکھانے کی طاقت۔" وہ تیز تیز چلتے راستے میں پڑی ہر چیز کو ٹھوکر مارتا۔

"سائیں کامیابی اس کے نصیب میں نہیں۔ وہ رانی بنا کر رکھنے کی لائق ہی نہیں۔ اسے رکھیل بنا لیں، سرکار۔" پھوگ اکساتا۔

"میرے سائیں بادشاہ' ویسے بھی چرواہے کی بیٹی کیا اچھی لگے گی آپ کی حویلی میں۔"

"جس طرح اس نے مجھے ٹھکرایا ہے۔ میرا دل بھی اب یہی چاہتا ہے۔ اب موقع تلاش کر اور اسے میرے پیروں میں ڈال دے۔ بھاڑ میں جائے بابا سائیں کا الیکشن۔"

"حاضر سرکار! جو حکم۔ وہ چڑیا اپنے گھونسلے سے جیسے ہی نکلتی ہے۔ میں اسے قید کرلوں گا۔"

☼ ☼ ☼ ☼

شام نے رات کی چنری اوڑھی۔ بہار رت کی ٹھنڈی ہواؤں نے اس کے مساموں میں تازگی بھری دی تھی۔ وہ کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی' دریائے سندھ کے پار حیدرآباد شہر کی ٹمٹماتی روشنیاں آسمان پر ستاروں ایسی دکھتی تھیں۔ پت جھڑ کا موسم آیا چاہتا تھا۔ درختوں کے پتے درختوں کی شاخوں پر اوس سے غسل کرکے زرد لباس پہن رہے تھے۔

کینٹین سے آنے والا کھانا اس نے شکر کرکے کھایا' اور شمع نے بے دلی سے۔

"کیا مصیبت ہے یار' آخر تم باہر کیوں نہیں نکل رہیں۔" شمع حسب معمول جھنجلائی۔

"مجھے کھیت نے منع کردیا ہے۔" وہ حسب توقع سکون سے بولی۔

"کھیت نے ٹیوشنز پڑھانے سے منع کردیا' باہر نکلنے سے منع کردیا۔ شاپنگ کرنے' آنے جانے' واک کرنے پر' پابندی لگادی' یہ تمہارا کھیت آخر ہے کیا بلا۔" ماروی اس کے تیز تیز بولنے پر مسکراتی رہی۔

"کھیت نہ ہوا' دیوتا ہوگیا۔"

"دیوتا ہی ہے وہ۔" ماروی نے جتلایا۔

"اور تم اس کی پجارن۔" وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر لڑاکا عورتوں کی طرح کھڑی ہوگئی۔

ماروی کو بے طرح ہنسی آئی۔ "صحیح سمجھیں آپ۔"

اس نے نچلا لب دانتوں تلے دبا کر سر کو اثبات میں جنبش دی اور برتن سمیٹ کر ٹرے میں رکھے۔

"اب تو قتل کرنے کو دل کرتا ہے تمہیں۔" شمع نے گھورا۔

"تمہارے قاتل کا فون آرہا ہے۔" ماروی نے وائبریشن پر تھرکتے فون کی طرف اشارہ کیا۔

اس نے پلٹ کر فون اٹھایا۔ "ہائے اللہ مجھے پتا ہی نہ چلا۔" وہ کہتے ہوئے تیزی سے کمرے سے باہر نکلی۔

ماروی ہنسی۔ "اب رازو نیاز شروع۔" شمع نے اس کے آواز کسنے پر دھیان ہی نہیں دیا۔

وہ اپنا سیل فون لے کر کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی تھی۔ کھیت کا میسج اک بار پھر پڑھا۔

"ماروی بھول کر بھی کسی بھی کام سے باہر مت نکلنا' سمسٹر ختم ہوتے ہی میں تمہیں لینے آجاؤں گا۔"

"کھیت! تم اتنے بزدل تو نہیں' پھر کیوں مجھے ڈرا رہے ہو۔" اس نے جواب لکھا' اسی وقت جواب آیا۔

"جاچی کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی' دن میں دس بار آکر مجھے تمہیں واپس لانے کو کہتی ہیں' سب سمجھا سمجھا کر تھک گئے ہیں۔"

"اور سنو! تمہارا کھیت بزدل نہیں۔" دوسرا میسج آیا۔

"مجھے پتا ہے' زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں۔" جواب دیا۔

"تمہاری محبت کا کھیس اوڑھ رکھا ہے' اترانا تو بنتا ہے۔" جواب آیا۔

"اچھا' اب زیادہ پھیلو نہیں' اللہ واھی۔"

"تمہاری محبت سے پھل پھول رہا ہوں۔" اس نے مسکراتا کارٹون بھیجا ماروی نے سیل چارجنگ پر رکھتے ہوئے پھر سے نکالا۔ اپنی باتوں میں الجھا دیتا ہے' واپس میسج کیا' مسکراتے ہوئے۔

"اور ہاں' اماں کو بھی سمجھا دینا کہ ماروی بھی بزدل نہیں' پریشان نہ ہوا کرے' وہ بیمار ہوجائے گی۔ تو مجھ سے پڑھا نہیں جائے گا' میرا پیغام صبح ہوتے ہی پہنچا دینا۔"

"حاضر سرکار! اور کوئی حکم۔" "فوراً" جواب آیا وہ دل سے ہنسی۔

"بس کافی ہے۔"



"اسے باہر نکال عبداللہ۔" وہ فاسٹ فوڈ سے انصاف کرتے بولا۔ گاڑیوں کے شور میں اس کی آواز دب گئی تھی۔

"کیسے نکالوں یار۔" عبداللہ زچ ہوا۔

"کوئی تدبیر کر۔"

"ہزار بار شمع کو کہا ہے' اسے کسی بہانے اپنے ساتھ یونیورسٹی کی حدود سے نکالو' مگر وہ کہتی ہے' کھیت نے اسے منع کر دیا ہے۔ کہیں بھی آنے جانے کو تیار نہیں۔" عبداللہ نے ریشمی کباب کا ٹکڑا منہ میں ڈالا۔

"دیکھو عبداللہ صاحب! جو کرنٹی دے سکتے ہیں۔ وہ چھیننے کا بھی اختیار رکھتے ہیں۔" پھوگ کہہ کر استہزائیہ ہنسا۔

عمر سومرو نے لب بھینچ کر اِردگرد نظر دوڑائی۔ گاڑیوں کا شور' شاپنگ کرنے والے لوگ' سندھ باد پر بچوں کو گھمانے والے' ہر کوئی اپنے آپ میں مگن تھا۔

"مجھے اندازہ ہے کہ ہم ڈیل کے تحت تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکے' مگر یہ مسلمہ حقیقت ہے' کسی کی محبت دل میں زبردستی نہیں ڈالی جا سکتی۔ ہم لوگ اپنے تئیں ماروی کو مائل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔" عبداللہ نے اپنی صفائی دی۔

"مجھے وہ ہر صورت چاہیے۔" عمر سومرو انگلی مسلسل ٹیبل پر مارتے بولا۔ "میرے احسانات کا بدلہ تمہیں چکانا پڑے گا عبداللہ۔"

وہ اب بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا' اس کی نظریں گہما گہمی کی طرف تھیں۔ کھانے سے اس کا جی اچاٹ ہو گیا تھا۔ پراٹھا رول' چکن تکہ' اسپائسی بوٹی' ریشمی کباب' چیز بال' گولا کباب' سب اس کے سامنے ویسے کے ویسے پڑے تھے۔

"ہم اب بھی تمہارے ساتھ ہیں اور موقع کی تاک میں ہیں' اس احتیاط کے ساتھ کہ ماروی کو ہم پر کوئی شک نہ ہو ورنہ بنا بنایا کھیل بگڑ سکتا ہے۔" عبداللہ وضاحت پر وضاحت دیے جا رہا تھا۔ پھوگ کی دھمکی نے اثر دکھایا۔ وہ ڈر گیا کہ ایمان بھی بیچا مگر حاصل بھی کچھ نہیں ہوا۔

عمر سومرو اس کی وضاحتوں کو 'میں نہ مانوں' کی صورت سن رہا تھا۔ عمر سومرو اس کی طرف دیکھنے کا روادار نہیں تھا اور پھوگ اسے مسلسل گھور رہا تھا' عبداللہ کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ بہت برا پھنسا ہے۔

اس نے اپنی صفائی دینے کے لیے شمع کو فون کیا۔

"شمع! اسے کسی بھی بہانے سے باہر نکالو۔"

"عبداللہ میں نے ابھی ابھی اس سے کہا کہ چلو آج مرچی کا مزہ لیتے ہیں' اس نے انکار کر دیا۔ کل بھی کہا تھا۔ المنظر پر مچھلی کھاتے ہیں ٹیلر کو کپڑے دیتے ہیں۔ کچھ ضروری شاپنگ کرنی ہے۔ مگر یار وہ مانتی نہیں ہر بار کہتی ہے۔ تم میری مجبوری جانتی ہو پھر کیوں اصرار کرتی ہو' میں شرمندہ ہو جاتی ہوں۔"

کھلے ہوئے اسپیکر سے اس کی آواز بخوبی عمر سومرو تک پہنچ رہی تھی۔

"ڈرپوک چڑیا' کب تک بھاگے گی' مجھ سے ایک دن آ ہی جائے گی' میرے پنجرے میں۔" عمر سومرو ہنسا۔

"ارے' عبداللہ! تم عمر کے ساتھ ہو؟" شمع عمر کی آواز پہچان کر بولی۔

"ہاں' ہم مرچی پر ہی بیٹھے ہیں تم آ جاتیں اسے لے کر تو مزہ آ جاتا۔" عبداللہ نے سیل منہ کے قریب کر کے کہا۔

"ارے یار وہ کاٹھ کی الو مانتی تب نا۔ بس کھیت کا کہا پتھر پر لکیر ہے۔ اچھا میں فون بند کرتی ہوں شاید وہ آ رہی ہے۔"

عمر سومرو اٹھا۔ لات مارنے والے انداز میں کرسی کو ہٹایا۔ "تتلی اک دن میری مٹھی میں آ جائے گی۔" اس نے مٹھی بھینچی۔ "سارے رنگ اڑ جائیں گے۔" وہ ہنسا۔ پھوگ نے بڑھ کر پراڈو کا دروازہ اس کے لیے کھولا۔

☆ ☆ ☆

بھاگی بیمار ہو چکی تھی' اسے خوف کھا گیا تھا۔ وہم مار گیا تھا۔ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئی۔ تھکی تھکی سانس لیتی' ہر سانس سے ماروی کی سلامتی کی دعا جڑ جاتی۔ اور ماروی سے بات کرتی۔

"چاچی! اب تو صبح و شام ماروی سے بات کرتی ہے' اب تو مطمئن ہو جا۔"

"ابا! اللہ سکون دے گا۔" وہ دونوں ہاتھ اوپر کی طرف اٹھا کر کہتی۔

ماروی اسے سارے دن کا احوال سناتی کہ صرف کلاسز اٹینڈ کر کے واپس ہاسٹل آئی ہے' وہ بھی لڑکیوں کے گروپ کے ساتھ' ابھی۔ کینٹین جانا بھی چھوڑ دیا ہے۔ وہ سن کر کچھ دیر مطمئن ہوتی پھر اس کا اطمینان رخصت ہو جاتا پھر سے وہمی بن جاتی' وہ ذہنی مریض بن گئی تھی۔ سوتی تو ڈراؤنے خواب آتے۔ ماروی رو رہی ہے۔ اک کنواں ہے' ٹیلے ہیں اور ان کے بیچ دوڑتی ماروی ہے۔ اونٹوں کی لمبی قطار اس کے پیچھے ہے' ظلمت کا اندھیرا چہار سو چھایا ہے' ٹیلوں سے خنزیر اتر رہے ہیں۔

وہ چیخ مار کر اٹھتی۔ "میری ماروی! میری ماروی"

"بھاگی کی چیخ سن کر سارا گاؤں اس کے اردگرد اٹھ آیا ہے۔ "کیا ہوا بھاگی' کیا ہوا بھاگی۔"

"میری ماروی' میری ماروی!" وہ بیچ صحن میں چارپائی پر کھڑی ہو کر بس صدا لگا رہی تھی۔

"اڑے بابا! چری ہو گئی ہے۔" پاندھی تھر تھر کانپ رہا تھا۔ "کوئی خواب دیکھ لیا' خواب' خواب اسے آتے ہی رہتے ہیں۔" اس کا لہجہ لرز رہا تھا۔

بھاگی دونوں ہاتھ سینے پر باندھے خاموش کھڑی سب کو خالی خالی نظروں سے تکتی رہی۔

"چاچی بیٹھ جا۔" کھیت نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر چارپائی پر بٹھایا۔

"کیا ہوا چاچی۔" کھیت نے سر پر دوپٹہ اوڑھاتے نرمی سے بچے کی طرح پچکارا۔

"ابا! میری ماروی اکیلی رہ گئی ہے۔" وہ منمنائی ہوئی۔

"ماروی اکیلی نہیں ہم سب ہیں اس کے ساتھ۔ ہم ہیں نا۔" کھیت نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

گاؤں کے لوگ گھروں کی اور کھسکنے لگے۔

"دماغ چل گیا بے چاری کا۔"

"وہم میں کوڑیل (وہم میں جکڑی ہوئی۔)"

"ادھ چری" (آدھی پاگل)۔

کچھ دل جلی بھنبھناہٹیں ابھریں۔ مگر کھیت وہیں کا وہیں رہ گیا۔

"چاچا تو بھی بیٹھ جا۔" اس نے پاندھی کو پکڑ کر بٹھایا' موبائل جیب سے نکال کر دیکھا تو رات کے تین بج رہے تھے۔

"ماروی سو رہی ہو گی۔ صبح اس کا پیپر تھا' وہ اس کو ہر بات بتانے والا' یہ بات بتانے سے باز آیا۔ سمجھاتے سمجھاتے اسے دلاسا دیتے دیتے صبح ہو گئی۔

حسب معمول اس کا فون نہ آنے پر ماروی نے خود کال کی۔

"کیا ہوا خیریت؟ آج یاد کرنا بھول گئے۔"

"ہاں ماروی! رات چاچی کو بخار تھا' ابھی ابھی آنکھ لگی ہے۔ ورنہ بات کروا دیتا۔"

اس کے سوال کا جواب الٹا آیا' یہ کچھ گڑبڑ کی نشانی تھی۔

"اماں کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ۔"

"تم پریشان نہ ہو' آرام سے پیپر دو۔ میں لے کر جاتا ہوں چاچی کو پھر بات بھی کرواتا ہوں۔" اس نے دلاسا دے کر کال کاٹی۔ بھاگی بالکل گم صم تھی۔ خاموش سارا جسم بخار میں جل رہا تھا اور رہ رہ کر اسے وہ خواب یاد آ رہا تھا۔

"یا اللہ! خیر کر۔" کتنی ہی دیر یہی دعا اس کی زبان کا تالا توڑ کر ہواؤں پر تیرتی۔

اس نے اپنے باپ کے دوست چاچا یوسف سے اس کی جیپ منگوائی' اسے مٹھی سول ہسپتال لے آیا۔ بخار سے اسے غشی ہو رہی تھی' خوف کی حالت بڑی شدید تھی۔ اسی خوف کی وجہ سے بخار کی شدت میں بھی اضافہ ہی ہو رہا تھا۔ پیپر کے بعد ماروی کا ہر دس

منٹ بعد فون آرہا تھا۔ اور وہ بات کرانے سے قاصر تھا۔ وہ ہوش میں ہوتی تو ماروی سے بات کرتی۔

"کھیت! مجھ سے صبر نہیں ہوتا' میں آرہی ہوں۔ کچھ نہیں ہوتا۔" ماروی کی بے چینی حد سے سوا ہوئی۔

"پاگل ہو گئی ہو' اگر چاچی ہسپتال میں نہ ہوتی تو میں تمہیں خود لینے آتا مگر اب نہیں آسکتا۔ تم ذرا سا ٹھہر جاؤ۔ اکیلی مت آنا پلیز ماروی۔" کھیت کے لہجے میں منت تھی۔

"کھیت میری ماں بیمار ہے۔ وہ مجھ سے بات نہیں کر سکتی اور تم۔" وہ رو پڑی۔

"ماروی میری بات اور مجبوری سمجھو' میں کل خود آجاؤں گا تمہیں لینے۔"

"آخر تم لوگ اتنے ڈرتے کیوں ہو۔"

"ہمیں ڈرانے میں چاچی کے ڈراؤنے خوابوں کا بھی ہاتھ ہے۔" کھیت ہنسا۔

"کھیت پرسوں میرا پھر پیپر ہے' میں آج آجاتی ہوں کل وہاں سے نکلوں گی' تب ہی یہاں پہنچوں گی۔ اماں کو دیکھنا بہت ضروری ہے' میرے دل کو قرار نہیں آرہا۔" اس بار وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

ڈاکٹر کے آنے پر کھیت کو بات ختم کرنا پڑی' اسپتال میں ہنگامی صورت حال نافذ تھی' بڑھتی ہوئی شرح اموات نے میڈیا کے ذریعے تہلکہ مچا رکھا تھا۔ آئے دن کوئی نہ کوئی بڑی شخصیت آتی اور ہلچل مچ جاتی۔

"چاچی' ماروی آرہی ہے۔" یہ سرگوشی تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ بھاگی کے کان کے قریب آکر کرتا۔ اس کا اثر ہوا اور بھاگی کا بخار کم ہوا۔ اس نے آنکھ کھولی۔

"ماروی۔" نحیف آواز وارڈ کے شور میں گم ہوئی۔ کھیت اس کے ہلتے لبوں سے سمجھ گیا کہ ماروی کا نام ہونٹوں پر آیا ہے۔

"آرہی ہے' آرہی ہے۔" اس نے خوشی سے اثبات میں سر ہلایا۔ بھاگی کے چہرے پر رونق مسکان بن کر چھائی۔

خوش تو وہ بھی تھا۔ ماروی کو دیکھنے ملنے کی خوشی دل کی دھڑکنوں کو تیز کر رہی تھی۔



شمع مسلسل اسے اپنی نظروں میں رکھے ہوئے تھی۔

"کیا کہہ رہا ہے اب۔"

"وہ مجھے آنے نہیں دے رہا' بار بار منع کر رہا ہے جان جاتی ہے ان وڈیروں سے ان کی۔" اسے پہلی بار کھیت پر غصہ آیا۔ "کیا کر سکتا ہے آخر عمر سومرو۔"

"زیادہ سے زیادہ تم سے شادی۔" شمع نے چھیڑا۔

"بکواس بند کرواپنی' نہ موقع نہ محل ہر وقت ٹھٹھول۔" وہ سخت برہم ہوئی۔

"اچھا میری مدد کی کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ۔" اسی وقت عبداللہ کی کال آئی۔ اس نے بات بیچ میں چھوڑ کر ریسیو کی۔

"ارے کیسے فون کروں تمہیں' صبح سے تو اس کی رونی شکل دیکھ رہی ہوں۔" وہ عبداللہ کو من و عن اس کی صبح سے اب تک کی کتھا سنانے لگی۔

"سنو' عبداللہ کہہ رہا ہے وہ میرپور خاص جا رہا ہے اپنے دوست کی جیپ میں' کہو تو آگے مٹھی تک تمہیں چھوڑ آئیں' اسپتال جانا ہے نا تمہیں۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ "عبداللہ کے ساتھ اکیلی' تم بھی چلو نا میرے ساتھ۔"

"یار! اپنا پیپر تو خراب کر رہی ہو' میرا بھی کرو گی کیا۔" وہ فون کان پر رکھتے ہوئے دونوں طرف بات کر رہی تھی۔

"عبداللہ پر اعتماد نہیں ہے کیا۔ جیسی میں ویسا عبداللہ۔ بھائی ہے تمہارا۔"

"عبداللہ نے سنی ہو گی۔ تمہاری بکواس کیا سوچے گا۔" ماروی برہم ہوئی۔ "ٹھیک ہے۔ کس وقت نکلے گا۔"

"دم بھی پندرہ منٹ میں۔"

ماروی نے گھڑی دیکھی' سہ پہر کے تین بج رہے

تھے۔ اگر وہ اس وقت نکل جاتی ہے تو سات بجے تک تو پہنچ ہی جائے گی۔ وہ شش و پنج میں تھی۔

"اچھا بابا! میں چلتی ہوں۔" شمع اس کی پریشانی اور دو مردوں کے ساتھ اکیلا جانے کی گھبراہٹ بھانپ گئی۔

"اوہ شکر ہے۔" وہ کھل اٹھی۔

اس نے اپنی کتابیں، ضروری نوٹس بیگ میں رکھے چنری اوڑھ کر تیار ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

"اماں کی طبیعت اب صحیح ہے۔ ہم انہیں ڈسچارج کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر نے دوائیوں کا نسخہ لکھتے ہوئے کہا۔

"سر! اگر آپ ایک دو دن اور رکھ لیتے ہاسپٹل میں تو اماں بالکل ٹھیک ہو جاتی، تو زیادہ بہتر ہوتا۔" اس نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

"نہیں، ہمیں یہ بستر خالی کرنا پڑتا ہے، زیادہ سیریس کنڈیشنز والے مریض ہماری پہلی ترجیح ہوتے ہیں اور بدقسمتی سے ہمارے ہاں وہ مریض زیادہ آ گئے ہیں اس لیے بخار اور معمولی امراض والے سارے مریضوں کو چھٹی دے رہے ہیں۔ یہ ہماری بھی مجبوری ہے۔" ڈاکٹر نے نسخہ تھمایا۔

"ٹھیک ہے میں دوائیں لے کر آتا ہوں، پھر اماں کو لے جاتا ہوں۔"

"مگر جلدی...."

"بس سر! دس منٹ" وہ کہتے ہوئے وارڈ سے باہر نکلا، اسٹور پر رکتے ہوئے اس نے ماروی کا فون نمبر ملایا۔ اور ساری بات بتائی۔

"میں نکل چکی ہوں وہاں سے۔"

"اب تمہیں مٹھی نہیں ننگرپارکر میں آنا ہوگا، روڈ پر چھوڑ دیں، میں وہاں تک تمہیں خود لینے آؤں گا۔" اس کی آواز سے بے تابی جھلکتی تھی۔

اثبات میں جواب ملنے پر اس نے دوائیں لیں اور بھاگی کو سہارا دیتے ہوئے لا کر گاڑی میں بٹھایا۔ گاؤں پہنچے تو شام کے سائے لہرا رہے تھے۔ گاؤں کے سارے لوگ مزاج پرسی کو آموجود ہوئے۔ کھیت کی ماں سب کو چائے بنا کر پلا رہی تھی۔

"ابا کھیت! ذرا بکریوں کی خبرگیری کر آ۔" پاندھی کے کہنے پر وہ جو اسپتال میں ڈاکٹر نے کیا کہا، ہر آنے والے کو پوچھنے پر بتا رہا تھا۔ ساری باتیں چھوڑ کر بھٹوں (ٹیلوں) کی طرف روانہ ہوا۔

اس کی منتوں مرادوں سے مانگی ہوئی من کی مراد ماروی آ رہی تھی۔

بھٹوں پر آ کر اس نے بکریوں کو دیکھا، اس میں پاندھی کی نشان زدہ بکریاں الگ کیں اور چھوٹے بکرے اور "چھوٹی بکریوں" کے منہ پر کپڑا باندھا، مبادا صبح تک یہ سارا دودھ نہ پی جائیں۔ اس سے پہلے اس نے انہیں خوب کھلایا پلایا۔ اب وہ بے فکر تھا، یہ بکریوں کا ریوڑ ساری رات بھٹوں پر رہتا اور صبح سویر پاندھی آ کر ان کو پہلے گھر لے آتا، منہ اندھیرے ان کا دودھ دوہتا چائے بنا کر پی کر، پھر ان کو چرانے لے جاتا۔ اس کی تو من محرم ماروی آ رہی تھی۔ وہ اس احساس سے سرشار ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

صحرا کی چاندنی رات... صحرا کو سحر زدہ کر دیتی ہے۔ اس کے حسن کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ ایسے میں محبوب کی یاد پر پھیلائے من میں بسرام کرتی ہے۔ اور اگر ایسی رات میں محبوب کے ملنے کی امید بندھ جائے تو قیس، مجنوں بن جاتا ہے۔

مگر اس سمے صحرائے تھر میں قیس نہیں کھیت مجنوں بنتا جا رہا تھا۔ تھر کی ریت اس کے تلوے چومتی جا رہی تھی اور اس سرشاری میں۔

اسے پتا ہی نہ چلا کہ وہ گاتے گاتے پکی روڈ پر پہنچ گیا ہے۔

"اوبھاؤ! میرے یار! بھلی کرے آئیں۔" ہوٹل والے نے اس کے ہاتھ سے اونٹ کی مہار پکڑی۔ اونٹ کو چھپر ہوٹل کے لکڑی کے ستون سے

باندھا۔

"آج پریں (محبوب) کی آمد کی تیاری ہے۔ پاپیادہ چلے آئے ہو۔" اس نے کھیت کے مٹی آلود پیروں کو دیکھ کر کہا۔

کھیت ہنس دیا۔ "ہاں یار چپل' ریت نگل گئی۔"

"اور تم نے اتنا وقت بھی نہیں لیا کہ ریت کھود کے چپل نکال لو' کہیں پریں کو انتظار نہ کرنا پڑ جائے۔ محبت ایسی ہی طاقت ور ہوتی ہے' بے خود کر دینے والی۔" ہوٹل مالک نے اس کا کاندھا تھپکا۔

وہ سر جھکا کر مسکرا دیا جیسے اپنی محبت کو خراج تحسین پیش کر رہا ہو۔ اس نے سیل نکال کر ٹائم دیکھا۔ اب تک تو اسے پہنچ جانا چاہیے۔

"فون کر لے۔" ہوٹل والے نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلاتے فون نمبر ملایا اس کے سیل سے "آپ کا مطلوبہ نمبر بند ہے" کے جواب نے کھیت کو ہلا دیا اس نے یکے بعد دیگرے اس کا نمبر ملایا مگر جواب ندارد۔ اس نے شمع کا نمبر پھر عبداللہ کا نمبر ملایا مگر ان کے نمبر بھی بند جا رہے تھے۔

"جس ہونی سے وہ ڈر رہا تھا وہ ہونی ہو گئی ہے شاید۔" اس خیال نے اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی۔

وہ بغیر کسی منزل کا تعین کیے ہوئے' کوچ میں سوار ہو گیا۔

وہ غائب دماغی سے نمبر ڈائل کرتا رہا' بار بار نمبر ڈائل کرنے کی وجہ سے موبائل کی بیٹری لو ہو چکی تھی۔

اس کی سماعتوں میں سائیں سائیں کی آوازیں گونج رہی تھیں ذہن ماؤف' دماغ خالی خالی' جسم بے جان تھا لوئی لج' چادر' ہتھوڑے بن کے اس کے اوپر برستی رہی۔

کیا ہو گیا تھا یہ' وہ پھر سے امید کو پکڑ کر دماغ سے وہم دور کرتا۔ نہیں نہیں ایسا نہیں ہوا ہو گا ہو سکتا ہے گاڑی خراب ہو گئی ہو' ہو سکتا ہے ان تینوں کے موبائل چھین لیے گئے ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کی سینکڑوں سوچوں سے وہ دل کو بہلا رہا تھا' مگر دل میں اک شک جو جڑ پکڑ چکا تھا' وڈیروں کے اغوا کے قصے زبان زد عام تھے۔ وہ اس سے مکر نہیں سکتا تھا۔ بس صرف یہ دعا کر سکتا تھا کہ ماروی ان کے ہتھے نہ چڑھی ہو۔

وہ اپنے اردگرد سے بے خبر بے سدھ پڑا ہوا تھا' کنڈیکٹر نے آکر ٹکٹ کے پیسے لیے۔ "حیدر آباد اترنا ہے یا آگے کراچی تک جانا ہے۔"

"حیدر آباد۔" اس کے منہ سے مری مری آواز نکلی۔

"بس تو جام شورو پل پر پہنچ چکی ہے' یہیں اتر جاؤ۔" وہ غائب دماغی سے اترنے لگا۔

"بھائی! ٹکٹ کے پیسے تو دو۔" کنڈیکٹر نے اسے شانے سے پکڑا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا جتنے پیسے تھے نکال کر کنڈیکٹر کو تھمائے' یہ بھی غنیمت تھا کہ اسپتال میں جانے کی وجہ سے اس کی جیب میں کچھ رقم باقی بچ گئی تھی۔

کنڈیکٹر نے اپنا کرایہ کاٹنے کے بعد بقیہ رقم واپس دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ مگر وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ دروازے سے باہر دیکھا تو وہ مسافر پل کے بیچ کھڑا تھا۔

"پاگل ہے یہ آدمی۔" وہ بڑبڑا کر نیچے کودا' اسے ہاتھ سے پکڑ کر فٹ پاتھ پر کھڑا کیا۔ بقیہ پیسے واپس دیے اور کوچ میں سوار ہو گیا۔ وہ غائب دماغی سے وہیں کھڑا تھا۔ یہ پل کراس کرنے کے بعد ہی سندھ یونیورسٹی آتی تھی اور وہ اپنی ماروی کو اسی سندھ یونیورسٹی میں پڑھنے کے لیے چھوڑنے آتا رہا تھا اس نے نیچے دیکھا پانی کے دھبے کہیں کہیں کھڑے دکھائی دیتے تھے۔

شدت سے اس کے دل نے خواہش کی کہ اس وقت اس پل کے نیچے سیلاب ایسا پانی جوش مار رہا ہوتا اور وہ اس میں کود کر جان دے دیتا۔ اس کی حیاتی کا جوش ختم ہو جاتا۔ اس کی ٹانگوں میں اب جان نہیں رہی تھی۔ وہ کھڑے کھڑے تھک چکا تھا وہ وہیں لیٹ گیا۔ نگاہ آسمان پر ٹمٹماتے تاروں پر اٹک گئی۔ اس کی

زندگی میں رات آچکی تھی' اس کی زندگی کا آسمان سیاہ تھا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ ستارے اپنے گھروں کو واپسی کی تیاری میں تھے پریشانی' جسمانی اور اعصابی تھکاوٹ نے چند لمحوں کے وقفے وقفے سے اس پر غنودگی طاری کردی تھی۔

ریل کی چھک چھک سے اس نے پوری آنکھیں کھول دیں۔ ٹرین پوری رفتار سے پل کے اوپر بنی پٹڑی سے گزر رہی تھی پورا پل اس کی چھک چھک کی آواز میں گم ہو رہا تھا۔ اس سمے اس کا دل چاہا اس کی زندگی کا پل اسی پل میں زمین زد ہو جائے۔

ستارے اپنے گھروں کو لوٹ چکے تھے' سورج انگڑائی لے کر بیدار ہونے کو پر تول رہا تھا۔ اس کی ماروی روز صبح ا نور سٹی جاتی ہے' اس خیال نے اس کے تھکے وجود میں بجلی سی بھر دی۔ وہ پوری توانائی سے تیز تیز چلنے لگا۔ اسے ہر صورت ہاسٹل کے دروازے پر پہنچنا ہے اس کے اندر اتنی توانائی پتا نہیں کہاں سے آگئی تھی' ارد گرد ٹریفک سے بے خبر اس کے لیے سارا جہان بے معنی تھا' مضحکہ خیز نظریں۔ کسے ہوئے فقرے اپنے ابتر حال' ہر بات سے بے نیاز وہ دوڑنے والے انداز میں دیوانہ وار جا رہا تھا۔ ہاسٹل کے دروازے پر پہنچتے پہنچتے اس کی سانس پھول گئی تھی۔ وہ کسی دمے کے مریض کی مانند ہانپ رہا تھا۔

چوکیدار نے آنکھیں رگڑ کر اسے دیکھا۔

"کس سے ملنا ہے؟"

"ماروی۔" اس کے منہ سے اک ہی لفظ نکلا تھا۔

"اچھا اچھا۔ ابھی دروازہ کھلنے میں پندرہ منٹ ہیں۔"

وہ کسی جیلر کی طرح رعب دار آواز میں بولا۔ وہ وہیں زمین پر بیٹھ گیا اسی وقت اک ٹیکسی آکر رکی عبداللہ اور شمع اترے تھے وہ دوڑ کر ان کے پاس گیا۔

"میری ماروی؟" اس کے لہجے میں صحراؤں کے سفر کی پیاس جھلکتی تھی۔

عبداللہ اور شمع اس کو وہاں دیکھ کر حیران ہوئے تھے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر بہانہ بنانے کی کوشش کی۔

"وہ ہمارے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی' راستے میں میرپور خاص کراس کرتے ہی' اسے اغوا کرلیا گیا' ہمیں گاڑی سے باہر پھینک دیا گیا۔" وہ آگے ساری تفصیلات بتاتے جا رہے تھے' مگر اس کی سوئی لفظ اغوا پر اٹکی ہوئی تھی۔ جس شک نے اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ اس کے یقین پر وہ ڈھے سا گیا' وہ عبداللہ کے قدموں میں گرا تھا۔

"کہہ دو کہ یہ سب جھوٹ ہے۔" وہ رو پڑا۔

"میرا فریکچر زدہ بازو دیکھو۔" اس نے بینڈیج کیا ہوا بازو آگے کیا۔ "یہ زخم دیکھو جب انہوں نے مجھے گرایا تھا گاڑی سے۔" عبداللہ نے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا۔

"میں کیسے کہوں کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ میں شمع کو ہاسٹل چھوڑنے آیا ہوں۔ ساری رات پریشانی میں گزری ہے۔" وہ اپنی پریشانی بیان کر رہا تھا اور شمع اس سے نظریں چرا رہی تھی۔

کھیت بے جان ہو رہا تھا۔ اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا۔ وہ عبداللہ کا منہ توڑ دے۔ اس سے سب کچھ سچ اگلوائے۔ مگر اس کے جسم میں سکت نہ تھی۔ وہ اس مسافر کی طرح تشنہ رہ گیا۔ جو دشت میں پیاسا سراب کے پیچھے دوڑتا دھوکا کھاتا ہے۔ اس کے وجود سے جان نکلتی جا رہی تھی۔

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

**سرورق کی شخصیت**

ماڈل ---- فرینہ اعجاز

میک اپ ---- روز بیوٹی پارلر

فوٹوگرافی ---- موسیٰ رضا